عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماھنامہ غزالی

صفر ۱۴۳۸ھ / نومبر ۲۰۱۶ء

زیرِ سرپرستی : مولانا پروفیسر ڈاکٹر سید سعید اللہ صاحب دامت برکاتہم

بانی : ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ (خلیفہ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ)

مجلسِ مشاورت : پروفیسر ڈاکٹر حاجی شیر حسن صاحب
مفتی آفتاب عالم، مولانا محمد امین دوست، مولانا محمد طفیل،
قاضی فضل واحد صاحب، مولانا طارق علی شاہ بخاری

مدیرِ مسئول : ثاقب علی خان

مجلسِ ادارت : ڈاکٹر محمد طارق، محمد الطاف حسین، حافظ عماد الحق، ظہور الٰہی فاروقی
ڈاکٹر زیاد طارق

قانونی مشیران: ثاقب وزیر صاحب (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)، سیف اللہ خلیل صاحب (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

Reg No. P476

جلد: پنج دهم

شماره: 3

فہرست

عنوان	صاحبِ مضمون	صفحہ نمبر
۱۔ ترکی کا سفر (قسط:۲)	حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم	۱
۲۔ تعزیت	حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم	۱۱
۳۔ ملفوظاتِ شیخ (قسط۔۸۱)	ظہور الٰہی فاروقی صاحب	۱۳
۴۔ میرے سر کا تاج...جو ٹوٹ گیا!!	اُم مولانا محمد یوسف	۲۱
۵۔ امام ابوحنیفہؒ کا تزکیہ وتربیت کا سلسلہ	حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم	۳۷
۶۔ ڈیمانڈ اور سپلائی	حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم	۳۸
۷۔ درود شریف کی برکات	اختر حسین صاحب	۴۱
۸۔ تبصرۂ کتب	حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم	۴۲
۹۔ سلام اور اس کے احکام (آخری قسط)	قاضی فضل واحد صاحب	۴۴
۱۰۔ رحمان باباؒ کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ	حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم	۴۷
۱۱۔ کلام	حضرت سید نفیس الحسینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۵۰
۱۲۔ کلام	پروفیسر ڈاکٹر ارشاد شاکر صاحب	۵۰

فی شمارہ : -/20 روپے

سالانہ بدل اشتراک : -/250 روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای-میل : physiologist72@hotmail.com

zayadtariq@hotmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org

رسالہ جاری کروانے اور بذریعہ موبائل ترسیلِ زر کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں 0313 979 2537

(قسط۔۲)

ترکی کا سفر

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

کانفرنسوں کو مکمل کرنے کے بعد ہماری استنبول واپسی ہوئی۔ استنبول میں ہمارا قیام میاں وقار بادشاہ صاحب کا کاخیل کے گھر پر تھا۔ وقار صاحب ہی ہمارے سفر کا ذریعہ بنے کیونکہ وہ ادارہ UNIW کے اہم کارکن ہیں۔ یہ ادارہ نجی ترتیب (Private Sector) پر وزارتِ خارجہ کا اہم معاون ادارہ ہے۔ وقار صاحب چارسدہ کے رہنے والے ہیں، اسلامیہ کالج پشاور کے پڑھے ہوئے ہیں۔ اسی دوران ہمارے سلسلے میں بیعت ہوگئے تھے۔ شعبۂ معاشیات (Economics) میں پی ایچ ڈی کے لئے ترکی گئے اور تعلیم کے ساتھ ساتھ اس اہم ترکی ادارے میں خدمات انجام دینے لگے۔

یہاں کے قیام میں ہمارا زیادہ شوق ترکیہ کے تصوف کے خانقاہی نظام کے ساتھ رابطہ پیدا کرنا اور ان کی اصلاحی ترتیب کو دیکھنا تھا۔ اس کے علاوہ معمول کی سیر جس کے لئے ساری دنیا کے سیاح آتے ہیں، اس سلسلے میں اہم مقامات کو دیکھنا تھا۔ اس کے لئے وقار صاحب نے مناسب منصوبہ بندی اور ترتیب بنالی۔ ہم نے تین بڑے شہروں انقرہ، قونیہ اور استنبول کو دیکھا۔ قونیہ سلجوقوں کا دارالخلافہ گزرا ہے جبکہ استنبول عثمانی خلفا کا دارالخلافہ تھا۔ انقرہ کو کمال نے دارالخلافہ بنایا۔ بندہ نے برطانیہ اور جنوبی افریقہ کے سفر کئے ہیں۔ برطانیہ تو انگریزوں کا آبائی ملک تھا جبکہ جنوبی افریقہ جو کہ ان کی فتح کردہ کالونی تھا، کو بھی انھوں نے برطانیہ کے برابر خوبصورت بنایا۔ الحمدللہ ترکیہ کے شہروں کی صفائی ستھرائی اور نظم وضبط ان دو ممالک سے کسی صورت میں بھی کم نہ تھا جبکہ عثمانی دور کی تعمیر شدہ عمارتوں کی شان و شوکت ان دو ممالک سے تو کیا دنیا کے ممالک سے بڑھ کر اور برتر ہے۔

ان کی سڑکوں اور راستوں کی ترتیب کچھ ایسے ہے کہ کسی جگہ کو بھی گھاس یا درختوں سے خالی نہیں چھوڑا ہوا۔ اس لئے گرد کا نام ونشان نہیں ہوتا۔ ہم وہاں سولہ دن رہے، اس دوران جوتوں پر کپڑا

مارنے یا پالش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ سڑکیں بہت اعلیٰ ڈھلوان (Slope) میں بنی ہوئی ہیں جن پر پانی بالکل نہیں ٹھہرتا۔ کوئی گاڑی ایسی نظر نہیں آتی جو دھواں چھوڑتی ہو اس لئے پٹرول ڈیزل کی بدبو کا نام ونشان نہیں۔ سڑکوں کی یہ تعمیر صرف شہروں میں نہیں بلکہ دور دراز کے دیہات کی سڑکیں بھی ایسی ہی ہیں۔ سڑکوں کے کنارے خوبصورت گھاس اور قسم ہا قسم کے پھول اور خوبصورت جھاڑیاں لگی ہوئی ہیں۔ جھاڑیوں کو مالیوں نے خوبصورت طریقے سے تراش کر قسم ہا قسم کے نمونے (Design) بنائے ہوئے تھے۔ یہ نظارے بہت ہی پرکشش ہوتے تھے۔

جہاں سڑک کے کنارے دیواریں آجاتی تھیں دیواروں پر لوہے کی چادروں کے لمبے مجمعے (Tray) لگائے ہوئے ہوتے تھے جن میں مٹی ڈالی ہوئی ہوتی تھی۔ پائپ کے ذریعے ان میں قطرہ قطرہ پانی گرتا رہتا تھا اور ان میں خوبصورت پھول لگے ہوئے ہوتے تھے۔ ٹریفک بالکل یورپی ممالک کی طرح منظم تھی۔ بے جگہ گاڑی کھڑی کرنا، بے تکا سبقت (Overtake) کرنا، راستہ روکنا یا الٹی طرف سے سبقت (Overtake) کرنے کا بالکل تصور ہی نہیں۔ ٹریفک پولیس بہت کم کہیں نظر آتی تھی۔ سڑکوں پر لوگوں کا رویہ انتہائی شائستہ تھا۔ وقار بادشاہ نے ہمیں ادارے سے ایک گاڑی دلوادی تھی، چلانے کی ذمہ داری ہماری اپنی تھی، یہ ذمہ داری منچلے نوجوان ڈاکٹران صاحبان ڈاکٹر مشتاق اور ڈاکٹر وقار نے اپنے سر لے لی تھی۔ بندہ نے کہا بھی کہ یہاں رائٹ ہینڈ ڈرائیونگ کا رواج ہے جو کہ تمہارے لئے مشکل ہوگی لیکن یہ نہیں مانے۔ گاڑی چلاتے ہوئے بار بار ان کو آگاہ کرنا ہوتا تھا کہ پاکستان کی طرح بائیں ہاتھ کی بجائے سڑک کے دائیں ہاتھ پر چلنا ہے۔ ڈاکٹر مشتاق ایک دفعہ بھول کر سامنے سے آنے والی گاڑی کے آگے آگیا۔ اللہ نے حادثے سے بچایا۔ سامنے کی گاڑی والے آدمی نے سر باہر نکالا اور مشتاق کو مخاطب کر کے صرف اتنی بات کہی: ''بے حوصلہ نہ ہوجایا کرو کیونکہ جب آدمی بے حوصلہ ہوجاتا ہے تو اس سے حادثہ ہوجاتا ہے۔'' اس سے زیادہ اس نے کچھ نہیں کہا۔ ہمارے ہاں یہ بات ہوتی تو گاڑیوں سے اتر کر بات گالم گلوچ تک پہنچ جاتی۔ بلکہ ہاتھا پائی کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔

بحیثیت مجموعی تُرک قوم ہنس مُکھ، صبر والے، قدر دان اور خوش اخلاق ہیں۔ ان کی یہ صفات اس بات کی نشان دہی کر رہی ہیں کہ یہ لوگ عالم اسلام کی قیادت کے لئے بالکل فِٹ ہیں۔ پورے سولہ دن کے قیام میں ہم نے کسی جگہ تُو تُو میں میں، بحث تکرار، لڑائی جھگڑا نہیں دیکھا۔

استنبول ڈھائی کروڑ سے زیادہ آبادی کا شہر ہے۔ اس میں ان کے ٹریفک کے پانچ نظام چل رہے ہیں۔ ذاتی گاڑیاں، اجرتی گاڑیاں (Taxi)، میٹرو بس، ٹرام اور میٹرو ٹرین۔ میٹرو بس اور ٹرین زیر زمین بھی چلتی ہیں۔ کسی جگہ ٹریفک کا ہجوم یا ٹریفک جام نہیں ہوتا ہے۔ کسی جگہ ٹریفک پولیس کھڑی ہو کر ٹریفک کو کنٹرول نہیں کرتی۔ میٹرو سروس کی بس، ٹرام اور ٹرین استعمال کرنے کے لئے ایک کارڈ حاصل کرنا پڑتا ہے جس میں پیشگی رقم (Pre-Paid) ڈلوا لیتے ہیں۔ اسے استنبول کارڈ کہتے ہیں۔ اس کی مدد سے بڑی سہولت سے کسی بھی سٹاپ پر داخل ہوتے وقت سکرین کے آگے کارڈ رکھیں تو راستہ کھل جاتا ہے اور اپنی مطلوبہ بس یا ٹرین تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس میں بچت بھی ہو جاتی ہے کیونکہ علیحدہ علیحدہ ٹکٹ خریدنا مہنگا پڑتا ہے۔ ہر بڑے شہر کی میٹرو گاڑیوں کا اپنا کارڈ ہوتا ہے۔ میٹرو سروس وقت کی ٹھیک ٹھیک پابندی کرتی ہے۔ میٹرو ٹرین تو ہر دس منٹ بعد سٹاپ پر پہنچ جاتی ہے۔ میٹرو ٹرین بجلی پر چلتی ہے اس لئے جہاں کہیں سرنگ یا زیر زمین بھی ہو تو کوئی دھواں وغیرہ نہیں ہوتا۔ سفر بھی باسہولت اور آرام دہ ہے اس لئے اکثر لوگ انھیں سے سفر کرتے ہیں۔ اپنی گاڑیاں رکھنے کی ضرورت کم پیش آتی ہے۔ چنانچہ آخری دن جب ہوائی اڈے پر جانا تھا تو وقار صاحب نے کہا کہ اگر ٹیکسی میں جائیں گے تو وقت بھی زیادہ لگے گا اور ٹیکسی ہوائی اڈے سے باہر اتارے گی۔ جبکہ میٹرو ٹرین پر جائیں تو وقت بھی کم لگے گا اور ٹرین ہوائی اڈے کے اندر جا کر کھڑی ہوگی اس لئے بہت سہولت رہے گی۔

پہلے دن جب ہم استنبول میں اترے تو ٹیکسی والے سے بات کی۔ اس نے ۱۰۰ لیرا (Lira) کرایہ بتایا۔ پاکستانی ہونے کے ناطے ہمیں شک ہوا کہ کہیں یہ دھوکہ نہ دے اس لئے ایک دوسرے آدمی سے بھی بات کی۔ اس پر یہ آدمی خفا ہو گیا۔ اس نے کہا کہ اب آپ اسی کے ساتھ جائیں، میں آپ کو نہیں

لے جاؤں گا۔ دوسرے آدمی کے ساتھ میٹر کے حساب سے گئے تو ۱۲۰ لرے کرایہ بنا۔ تب اندازہ ہوا کہ پہلے آدمی نے بیس لرے رعایت کی تھی۔ اس کے بعد ہمیں اندازا ہوا کہ ٹیکسی والے دھوکہ نہیں کرتے۔ چنانچہ آرام سے ہم ٹیکسی میں بیٹھتے تھے اور میٹر پڑھ کر پیسے ادا کر دیتے تھے۔ ٹیکسی والے ہماری باشرع شکلوں کو دیکھ کر اور خاص طور سے میری سفید ڈاڑھی کو دیکھ کر شدت سے کہتے تھے کہ ہم آپ سے پیسے نہیں لیں گے۔ جبکہ ہم کوشش کرتے تھے کہ میٹر سے کچھ زیادہ انھیں دے دیں۔ کمال نے ڈاڑھی مونڈنے کی پابندی لگائی ہوئی تھی اور اسی طرح عورتوں کے پردے پر پابندی تھی لیکن اس کے باوجود تُرک عوام ڈاڑھی اور پردے سے بہت محبت کرتے ہیں۔

ہمارا قیام استنبول کے علاقہ فاتح میں تھا۔ اس علاقے کا نام فاتحِ قسطنطنیہ سلطان محمد فاتح کے نام پر تھا۔ اسی محلے میں مسجد سلطان سلیم تھی۔ یہ مسجد کافی اونچائی پر تھی۔ نیچے سمندر کی شاخ گولڈن ہارن کا خوبصورت منظر تھا۔ گولڈن ہارن آبنائے باسفورس میں ملتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ گولڈن ہارن کے دوسری طرف خشکی کا وہ ٹکڑا تھا جس سے سلطان محمد فاتح نے ستّر بحری جہازوں کو گزار کر گولڈن ہارن میں اتارا تھا۔ اسی ٹکڑے پر اس واقعے کی یاد میں ایک گلاتا منارہ (Galata Tower) تعمیر کیا گیا تھا۔ رات کو دونوں سمندروں میں چلتی ہوئی کشتیوں اور جہازوں کی روشنیوں اور گرد و پیش میں شہر کی روشنیاں ایک عجیب پُرکشش منظر پیش کرتی تھیں جو طبیعت کے لئے بہت فرحت کا سماں ہوتا تھا۔ سلطان سلیم کی یہ جامع مسجد، سلیمان عالی شان (Sulaiman the Magnificient) کی مسجد جامعہ سلیمانیہ اور سلاطین کی تعمیر کردہ ساری مساجد فنِ تعمیر کا شاہکار ہیں۔ مسجد کی دیوار چھے فٹ چوڑی ہوتی ہے۔ گنبدوں کی اونچائی پچاس فٹ تک ہوتی ہے۔ کھڑکیاں چھے فٹ اونچی ہوتی ہیں۔ دروازے اٹھارہ فٹ اونچے ہوتے ہیں۔ مسجدوں کی صفائی ستھرائی اور نفاست دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ امام اور خادموں کے علاوہ پولیس اہلکار بھی تحفظ (Security) کی خدمات کے لئے مقرر ہوتے ہیں۔

بندہ کو عموماً یہ خیال رہتا تھا کہ مینارے اور محراب حضور اقدس ﷺ اور خلفائے راشدین کے

زمانے میں نہیں ہوتے تھے۔ یہ بعد کی چیزیں ہیں جو مختلف انتظامی وجوہات کی بنا پر اختیار کی گئیں۔ پاکستان میں بعض میناروں پر تو اتنا خرچہ ہوا ہوتا ہے کہ اسراف اور تبذیر (بے موقع خرچ) کے گناہوں پر جو عذابوں کا تذکرہ آیا ہوا ہے ان کا سوچ کر انسان کانپ اٹھتا ہے۔ ترکیہ میں یہ دیکھا کہ یہ گنبد کوئی اضافی چیز نہیں ہیں بلکہ مسجد کی ہی چھت ہیں لہٰذا اسراف وتبذیر کے زمرے میں نہیں آرہے۔ مسجدوں کی قالینیں اتنی نفیس تھیں کہ ہمارے ہاں پارلیمنٹ ہاؤس اور ایوان صدر میں نہیں ہوتی ہوں گی۔ مسجد میں داخلے کے دروازے پر ایک لوہے کے بکسے سے پلاسٹکی تھیلا لٹکتا نظر آرہا تھا۔ اس کو کھینچا تو جوتے رکھنے کے لئے لفافہ تھا۔ پیچھے سے دوسرا لفافہ بکس سے نکل آتا۔ اس لفافے میں جوتے رکھ کر اندر لے جائے جاتے۔ جب باہر نکلتے تو دوسری طرف ایک خالی بکس ہوتا جس میں وہ استعمال شدہ لفافے ڈالنے ہوتے تھے۔ سڑک، گلی کوچہ، نالی، کسی جگہ ہم نے نہیں دیکھا کہ کوئی فالتو لفافے پڑے ہوں۔ ایسے ہی باقی فالتو چیزیں جیسے ٹھنڈے مشروبات کی خالی بوتلیں اور ڈبے کہیں بے جا نہیں پڑے ہوتے تھے۔ لوگ انہیں کچرے کے ڈبے (Dustbin) میں ڈالتے تھے۔

بازاروں میں دکاندار بہت شائستہ طریقے سے بات کرتے تھے اور سہولت کے ساتھ لین دین کرتے تھے۔ ڈاکٹر وقار صاحب نے پچھلے سال ایک سنار سے کوئی زیور خریدا تھا جس کی زنجیر (Chain) ٹوٹ گئی تھی۔ اسی دکاندار کے پاس گیا اور بتایا کہ یہ پچھلے سال آپ سے خریدی تھی اب ٹوٹ گئی ہے، اسے درست کرنا ہے۔ دکاندار نے کوئی رسید وغیرہ نہیں مانگی، ٹھیک کر کے دی اور پھر کوئی معاوضہ بھی نہیں لیا، اس بنا پر کہ ہم سے خریدی ہوئی چیز کی مرمت کے ہم ذمہ دار ہیں۔

پاکستان والوں کے ساتھ تو تُرکوں کی خاص محبت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تُرکی میں تصوف کا غالب سلسلہ نقشبندیہ ہے اور اکثریت اسی سلسلے میں بیعت ہے۔ اس سلسلے کے اہم شیخ جناب حضرت محمود آفندی صاحب تقریباً سو سال کی عمر میں ابھی بھی زندہ ہیں۔ تُرکی کے علاقے میں نقشبندیہ سلسلہ شیخ خالد کُردرحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے پہنچا ہے جو ہمارے بزرگ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے

خلیفہ تھے۔اسی رشتے سے تُرک لوگ پاکستانیوں کی بہت قدر کرتے ہیں۔ایک ساتھی نے کسی تُرک سے کہا کہ پاکستان اور ترکی آپس میں دوست ہیں۔اس نے کہا: ''ایسے نہ کہو! ہم آپس میں بھائی ہیں۔''

استنبول میں مختلف تاریخی مقامات اور تاریخی چیزوں کو دیکھنا تھا۔سب سے پہلا منصوبہ ہم نے صحابہ کرامؓ کے مزارات کی زیارت کا بنایا۔سب سے پہلے امیر معاویہؓ کے زمانے میں جو لشکر قسطنطنیہ کی فتح کے لئے آیا تھا اس لشکر کے اٹھائیس شہدا کے مزار پر حاضری تھی۔یہ سارے مزارات فصیل کے ساتھ ساتھ ہیں۔سمندر کی طرف سے پہلا مزار ابوایوب انصاریؓ کا ہے۔صبح کی نماز میں وقار صاحب کے مشورے کے مطابق ابوایوب انصاریؓ کے مزار کی طرف ہم پیدل ہی چلے۔وقار صاحب نے بتایا تھا کہ آدھے گھنٹے کا راستہ ہیں۔ہمارا بھی یہی خیال ہوا کہ پیدل چلنے میں زیادہ فائدہ ہے۔بارہا تجربہ ہوا ہے کہ پیدل جانے سے صاحبِ قبر کے فیض کا زیادہ احساس ہوتا ہے۔جب پیدل چلنے لگے تو نماز کے لئے وقت کم رہ گیا۔پریشانی ہوئی۔دل میں خیال آیا کہ اس سے پہلے بھی تجربہ ہوا ہے کہ ایسے موقع پر بزرگوں کی کرامت کا ظہور ہوتا ہے اور غیب سے پہنچنے کا بندوبست ہو جاتا ہے۔خیال کے آتے ہی پیچھے سے ایک گاڑی آئی اور اس نے ہمیں بٹھا کر مزار پر اتار دیا۔یہ کوئی ٹیکسی وغیرہ نہیں تھی بلکہ کسی پرائیویٹ گاڑی والے آدمی نے مزار کے مہمان ہونے کی وجہ سے ہماری مفت خدمت کی۔جس ٹیکسی میں ہم نے مزار سے واپسی کی وہ بھی پیسے نہیں لے رہا تھا اور بار بار کہہ رہا تھا کہ میرے لئے صرف دعا کریں۔بہرحال تُرک بھائی ہونے کے ناطے ہم نے اسے میٹر کے مطابق رقم سے دس لِرا یعنی ۳۷۰ روپے زیادہ دئے۔

اس کے بعد توپ کاپے عجائب گھر میں گئے۔یہ عجائب گھر عثمانی خلفا کا رہائشی محل تھا جسے عجائب گھر میں تبدیل کر دیا گیا۔بہت کھلی اور فراخ عمارت تھی جس کی تعمیر انتہائی اعلیٰ لیکن سادہ تھی۔اس عجائب گھر میں صحابۂ کرامؓ اور حضور اقدس ﷺ کی تلواریں، ابراہیم علیہ السلام کی پگڑی مبارک، موسیٰ علیہ السلام کا عصا، حضور اقدس ﷺ کا عصا، آپ ﷺ کے بال مبارک اور دندان مبارک جو احد میں

شہید ہو گئے تھے، بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قمیص مبارک اور امام حسین رضی اللہ عنہ کا کرتا مبارک، ایک پتھر پر تراشہ ہوا آپ ﷺ کا نقشِ پا مبارک، آپ ﷺ کے زیرِ استعمال پیالہ مبارک، بیت اللہ شریف کا دروازہ اور دروازے کے دو تین تالے اور دو پرانے پرنالے، حجرِ اسود جس حلقے میں جوڑ کر بیت اللہ شریف میں لگایا جاتا ہے وہ حلقہ، یہ سب ایک احاطے میں تھے۔ اس احاطے میں دن رات ایک قاری مسلسل تلاوت کرتا رہتا ہے۔ اس جگہ کی بہت خاص کیفیت تھی۔ خاص طور سے بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قمیص مبارک کے پاس سے جو گزرے تو بہت کیفیت طاری ہوئی اور غیر ارادی رونا طاری ہوا اور آنکھیں بہنے لگیں۔ واقعی بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو خاتونِ کائنات ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے جو تصوف کے تین سلسلوں کے فیض کا اجرا ہوا، اس کی بنیادی وجہ یہی ہوئی کہ آپؓ کے گھر میں جنت کی خواتین کی سردار جلوہ فرما تھیں۔

اسی محل کے قریب ایک عمارت میں استنبول کا آرکیولاجیکل میوزیم بھی تھا۔ اس میوزیم میں پرانی تہذیبوں کی کھدائی کے نوادرات، سارے حیوانی مجسمات اور پرانے انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے تھے۔ اس عمارت کے ساتھ ایک دوسرا میوزیم تھا جس میں Ceramics کا کام تھا۔ چینی کے برتن جو بہت بعد میں برصغیر میں بننے شروع ہوئے، ترکوں کے ہاں Ceramics کا یہ کام چھے سو سال پہلے شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ قسم ہا قسم کی خوبصورت رنگین ٹائلوں کے نمونے موجود تھے۔ مختلف خلفا کے زیر استعمال رہے ہوئے چینی کے برتن، پیالے اور چائے دانیاں رکھی گئی تھیں۔ آج سے چھے سو سال پہلے ٹرکیہ میں Ceramics کا کام اتنے وسیع پیمانے پر ہوتا تھا۔ آج کے دن میں صرف اتنا ہی ہو سکتا تھا کہ توپ کاپے کو دیکھ سکے۔

دوسرے دن آیا صوفیا اور سلطان احمد مسجد کو دیکھنے کے لئے گئے۔ آیا صوفیا عیسائیوں کا اس زمانے کا گرجا ہے جب عیسائیت متحد تھی اور ان کا ایک ہی مرکزی گرجا (Church) تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد عرصہ دراز تک عیسائیت ایک راہبانہ طرز پر گرجوں، غاروں اور بیابانوں میں

عبادتوں کی شکل میں چلی۔ جب عیسائی بادشاہ قسطنطین کو اقتدار حاصل ہوا تو اس نے پورے یورپ میں بذریعہ تلوار عیسائیت کو پھیلایا۔ اس بادشاہ نے اناطولیہ (موجودہ ترکی) کے شہر بزنطیہ کو فتح کیا۔ اس میں آیا صوفیا کا گرجا بنایا اور شہر کا نام اپنے نام پر قسطنطینہ رکھا۔ اس بادشاہ نے ہی ایک گرجا روم میں بھی بنایا۔ پہلے یہ گرجا تین سو دس عیسوی میں لکڑی کا بنا تھا۔ یہ آگ لگنے سے تباہ ہو گیا۔ پھر قسطنطین نے تین سو بائیس عیسوی میں پختہ عمارت بنائی۔ تعمیر مکمل ہونے پر جب اندر داخل ہوا تو اس نے تاریخی متکبرانہ جملہ بولا: ''سلیمان (علیہ السلام) میں تم پر سبقت لے گیا۔'' نعوذ باللہ۔

گرجے کو جب دیکھا تو واقعی عثمانی تُرکوں سے ایک ہزار سال پہلے کی تعمیر لیکن شان وشوکت میں عثمانیوں کی ہم پلہ۔ چونکہ یہ شرعی مسئلہ ہے کہ جس شہر کے لوگوں نے اسلام کی دعوت نہ مانی ہو اور جنگ کی ہو ان کی ساری املاک اور تعمیرات اسلام کی ملکیت ہو جاتی ہیں۔ اس لئے فتح کے بعد اسے سلطان محمد فاتحؒ نے اسے مسجد بنایا جس میں قبلہ رخ محراب بنایا گیا اور ایک منبر بنایا گیا۔ عیسائیوں کی بنائی ہوئی مورتیوں پر چونے کا پلستر کر کے انہیں چھپا دیا گیا۔ کمال کے انقلاب میں جہاں اور قباحتیں کی گئیں وہاں ایک قباحت یہ بھی کی گئی کہ اس میں نماز بند کر دی گئی، اور مسجد کو دوبارہ گرجا بنانے کی ہمت تو نہ کر سکا البتہ اسے میوزیم میں تبدیل کر دیا گیا۔ چونے کا پلستر ہٹا کر مورتیوں اور بتوں کو بحال کر دیا گیا۔ بتوں میں مریم علیہا السلام کا بت، عیسیٰ علیہ السلام کا بت، کسی عیسائی بادشاہ کا بت اور جبرائیل علیہ السلام کا بت انتہائی اونچائی پر چھت کے گنبدوں پر بنائے گئے ہیں۔ چاروں ستونوں پر خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی کتبوں پر لکھے گئے ہیں جو اب بھی موجود ہیں۔ گرجے کا بڑا دروازہ تقریباً تیس فٹ اونچا تھا۔ دروازے آبنوس کی کالی لکڑی کے ہیں۔ آبنوس کی لکڑی چمڑے کی طرح ملائم ہوتی ہے اور نفیس چمک لئے ہوئے ہوتی ہے۔ دروازے کے ایک پَٹ میں گویا دو شہتیر استعمال ہوئے تھے۔ کھڑکیاں تقریباً بارہ بارہ فٹ تھیں۔ وہ بھی آبنوس کی تھیں۔ دوسری منزل پر چڑھے۔ دوسری منزل بہت اونچی تھی اور چڑھنے کے لئے سیڑھیوں کی بجائے ایک ڈھلوان (Slope) چوڑا راستہ تھا۔ نیچے لگا ہوا سنگ مرمر

کھردرا تھا جس پر آدمی پھسلتا نہیں تھا۔ تقریباً ہزار سال گرز جانے کی وجہ سے خوب گھِسا ہوا تھا۔ ایک خاص جگہ انھوں نے بتائی جہاں سے نچلی منزل کی مرکزی جگہ نظر آتی تھی۔ ہمیں بتایا گیا کہ عیسائی بادشاہ کی تاج پوشی کے وقت ملکہ یہاں کھڑی ہوتی تھی۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اس وقت عیسائیوں میں بھی پردے کا تصور تھا۔ طیب اروان کی حکومت نے رمضان میں ایک جمعہ یہاں پڑھ لیا تھا جس پر یورپ نے باقاعدہ احتجاج کیا۔ ہمارے دورے کے موقع پر اس میں فقط اذان شروع کی گئی تھی۔ پچھلے مہینے کی بات ہے کہ تریانوے سال بعد اس مسجد میں دوبارہ نمازِ باجماعت باقاعدہ شروع ہوگئی ہے۔

اس کے قریب سلطان احمد کی بنائی ہوئی مسجد ہے۔ چونکہ سرامک کا کام آج سے پانچ سو سال پہلے تُرکوں نے شروع کر دیا تھا اس لئے اس میں نیلے رنگ کی خوصورت ٹائلیں لگی ہوئی ہیں جس کی وجہ سے اسے نیلی مسجد (Blue Mosque) بھی کہتے ہیں۔ یہ مسجد سلطان نے اس نیت سے بنائی تھی کہ اس کی شان و دبدبہ آیا صوفیا سے بڑھ کر ہونا چاہئے۔ واقعی اس مسجد کا ہال آیا صوفیا کے ہال سے دوگنا ہے۔ سلطان نے اس مسجد کے سونے کے مینار بنانے کا کہا تھا۔ تُرکی زبان میں سونے کے لئے لفظ Atin بولا جاتا ہے جبکہ ترکی میں Alti کا مطلب چھے ہوتا ہے۔ معمار سنان نے سوچا کہ سونے کے مینار بنانے سے تو خزانہ ہی خالی ہو جائے گا۔ اس نے سونے کے مینار بنانے کی بجائے چھے مینار بنا لئے۔ جب بادشاہ نے بازپُرس کی تو اس نے معصومانہ انداز میں جواب دیا کہ میں آپ کے حکم کا مطلب سونا نہیں بلکہ چھے سمجھا تھا۔

سب سے بڑی مسجد جامعہ سلیمانیہ ہے جو سلیمان عالی شان (Sulaiman the magnificient) نے بنوائی تھی۔ اس مسجد میں حاضری ہوئی۔ مرکزی گنبد چار ستونوں پر تھا۔ ہر ستون کی بنیاد پچیس فٹ لمبی اور پندرہ فٹ چوڑی تھی اور اس گنبد کے نیچے مسجد کے ہال کا تقریباً سو فٹ لمبا اور سو فٹ چوڑا رقبہ آرہا تھا۔ باقی ستون اور مسجد کی لمبائی چوڑائی اس کے علاوہ تھی۔ ہر مسجد کے ساتھ اتنے کمرے ہوتے ہیں کہ ان میں ایک دارالعلوم آسانی سے چلایا جاسکتا ہے۔

عثمانی دور کی ساری تعمیرات ان کے معمار (Architect) سنان کی تعمیر کردہ ہیں۔ معمار سنان اپنی مہارت میں تاریخ عالم کا مانا ہوا معمار (Architect) ہے۔ سنہ چودہ سونوے میں اناطولیہ کے شہر قیصریہ میں پیدا ہوا۔ عیسائی نام جوزف تھا۔ دوران تعلیم مسلمان ہوا اور سنان نام رکھا گیا۔ ٹیکنکل تعلیم کے بعد فوج میں انجینئر بھرتی ہوا۔ جلد ہی آغا کا اعزاز پایا۔ ملازمت کے دورانئے میں پل، سڑکیں اور واٹر سپلائی لائینوں کی تعمیر کا وسیع تجربہ حاصل کیا۔ پچاس سال کی عمر میں Cheif Royal Architect (صدر معمار برائے خلافتِ عثمانیہ) مقرر ہوا۔ اس کی یادگار تعمیریں تین سو ساٹھ ہیں جو اس دور سے لے کر آج تک پوری دنیا میں اپنی مثال آپ ہیں۔ بندہ نے ہندوستان کا تفصیلی سفر کیا ہے اور مغلوں کی تعمیریں دیکھی ہیں۔ مغلوں کی شان وشوکت کو دس گنا بڑھائیں تب ہی عثمانیوں کی برابری کر سکتی ہے۔ اس کی تعمیرات میں شہر ادرنہ کی مسجد سلیمیہ اور اسلامبول (استنبول) کی مسجد سلیمانیہ یادگار ہیں۔ تاج محل آگرہ کا ڈیزائن بھی سنان کے شاگردوں نے کیا ہے۔ اس ڈیزائن کے شکریہ میں شاہجہان بادشاہ نے اس وقت کے عثمانی خلیفہ کو گینڈے کی کھال کی ایک یادگار ڈھال بھیجی اور کہا کہ اس ڈھال کو تلوار نہیں کاٹ سکتی۔ سلطان مراد نے ترکش میں تیر ڈال کر ڈھال پر پھینکا تو تیر ڈھال کو سوراخ کر کے پار ہو گیا۔ واقعی سلطان مراد کی قوتِ بازو کا جواب نہیں تھا۔ (جاری ھے)

خطۂ قسطنطنیہ یعنی قیصر کا دیار
مہدیٔ امت کی سطوت کا نشانِ پائیدار
صورتِ خاکِ حرم یہ سرزمیں بھی پاک تھی
آستانِ مسند آرائے شہ لولاک تھی
نکہتِ گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا
تربتِ ایوب انصاریؓ سے آتی ہے صدا
اے مسلماں! ملتِ اسلام کا دل ہے یہ شہر
سینکڑوں صدیوں کی کشت وخون کا حاصل ہے یہ شہر

تعزیت

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

گزشتہ مہینوں میں ہم سے ہمارے دو بہت ہی قیمتی اور علوم و معارف کے اونچے مقام پر فائز بزرگ رخصت ہو گئے۔ پہلی وفات میرے شیخ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے خلیفہ جناب حضرت مولانا اختیار الملک صاحب کی ہوئی۔ کچھ دنوں بعد بندہ کے مشفق جناب مفتی حمید اللہ جان صاحبؒ سابق صدر مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور و بانی جامعۃ الحمید، عظیم آباد، رائیونڈ روڈ، لاہور چل بسے۔

اختیار الملک صاحبؒ پشاور یونیورسٹی میں زرعی کالج میں داخل ہوئے۔ یہیں سے حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ سے بیعت ہوئے۔ طالب علمی کے زمانے میں حضرتؒ سے فیض یاب ہوتے رہے۔ محکمہ زراعت میں نوکری شروع کی۔ اس دوران نوکری کے ساتھ خوب محنت کر کے اپنی علمی پیاس کو بجھایا اور فارغ التحصیل عالم بنے۔ حضرت سے اکتسابِ فیض کرتے کرتے سلوک کی تکمیل کی اور خلافت پائی۔ اپنے علاقے میں کام شروع کیا۔ ایک خانقاہ مانسہرہ شہر میں آباد کی اور ایک خانقاہ اپنے آبائی علاقہ پوڑہ ٹکری بٹگرام میں آباد کی۔ ہر دو جگہ سے ہزاروں افراد نے فیض اٹھایا۔ کئی علما نے ان سے بیعت ہو کر چاروں سلسلوں میں خلافتیں پائیں۔

کئی کتابیں یادگار چھوڑیں جن میں ایک ضخیم کتاب تین جلدوں میں اصلاحِ نفس کے نام سے ہے، جس کے مضامین گہرے علوم و معارف، دلچسپ واقعات اور انتہائی شگفتہ مزاح کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ کتاب کی زبان بہت سادہ اور عام فہم ہے۔ بلا کی دلچسپ ہے اور دل کی دنیا بدلنے میں قوی تاثیر رکھتی ہے۔ اگرچہ ان کی وفات سے بہت نقصان ہوا لیکن ان کے خلفاء کے ذریعے سلسلے کے فروغ کے بہت روشن حالات ہیں۔ ان کے صاحبزادے حضرت مولانا بلال صاحب ان کے جانشین ہوئے۔ باہمت شخصیت ہیں اللہ کی ذات سے پوری توقع ہے کہ ان کے سلسلے کی آب و تاب میں

کمی نہیں آنے دیں گے۔

حضرت مفتی حمید اللہ جان صاحب پاکستان کے علما میں ایک بلند پایہ شیخ الحدیث اور خوب شہرت یافتہ مفتی تھے۔اس کے ساتھ ساتھ نقشبندیہ سلسلے کے کامل شیخ تھے۔ساری زندگی وقف ہو کر اور جم کر تدریس اور تزکیہ کا کام کیا۔کئی لوگ ان سے قرآن وحدیث پڑھ کر علما بنے، ہزاروں افراد بیعت ہو کر اصلاح یافتہ ہوئے اور کئی حضرات نے خلافتیں پائیں۔مریدوں، کتابوں کے علاوہ لکی مروت کا مدرسہ اور لاہور کا جامعۃ الحمید ان کی عظیم یادگاریں باقی رہ گئیں۔

ھر گز نمیرد نام آں کس کہ دلش زندہ شد بعشق

سبت است برجریدۂ عالم دوام ما

ترجمہ: وہ ہرگز نہیں مرتا جس کا دل عشق سے زندہ ہوا ہو۔اس لئے دنیا کے صفحے پر یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ ہم ہمیشہ کے لئے ہیں۔

(صفحہ نمبر ۳۶ سے آگے)

ہی کی برکت سے ہیں۔میں اپنے ان بچوں کے لئے دعا گو ہوں جنھوں نے حضرت کے حالات کو جمع کرنے کا عزم کیا ہے، جس دن سے عزیزم محمد یوسف نے بتایا ہے کہ حضرت کے ایک شاگرد مولانا محمد طفیل صاحب حفظہ اللہ یہ عظیم کام کر رہے ہیں، اس دن سے روزانہ دو رکعات صلوٰۃ حاجت خاص اس کام کی سہولت اور مقبولیت کے لئے پڑھتی ہوں، دعا بھی کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو آسانی سے تکمیل تک پہنچا کر زیادہ سے زیادہ مقبول ومفید بنائے۔ہم سب کو حضرت کی برکات سے مالا مال فرمائے، دنیا وآخرت کی سعادتیں نصیب فرمائے اور ساتھ ہی روز قیامت میں حضرت کی رفاقت و شفاعت بھی نصیب فرمائے۔بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو شہید کرنے والے ظالموں سے پورا پورا حساب لیں، اس ظلمِ ناروا پر ان کو آخرت میں رسوا کر دیں اور اس دنیا میں بھی عذاب چکھا دیں تاکہ میں اپنی ترستی آنکھوں سے اس کا نظارہ کر سکوں۔

ملفوظاتِ شیخ ۔ ڈاکٹر فدامحمد صاحب دامت برکاتہٗ (قسط۔۸۱)

(ظہورالٰہی فاروقی صاحب)

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی حفاظت بھی خود فرماتا ھے:

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی حفاظت بھی خود فرماتا ہے۔حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑی شخصیت گزرے ہیں۔ایک دفعہ ان کے ایک مرید نے ان کو ولیمے پر بلایا۔جس قصاب سے انھوں نے گوشت خریدنا تھا وہ غیر محتاط تھا۔بعض اوقات ان کا جانور مرجاتا تو چونکہ انھوں نے ہزاروں روپے کا خریدا ہوتا تھا،اس لئے اس کے مُردار ہونے سے ان کا بڑا نقصان ہورہا تھا۔لہٰذا ایسے ہی مرے جانور پر چھریاں پھیرتے اور حلال کا اعلان کرتے رہتے۔تو یہ قصاب انھی دنوں میں گرفتار ہوا اور اس پر مقدمہ بنا۔اس طرح اللہ نے ان بزرگوں کی وجہ سے اس گوشت کی خریداری سے بچایا۔

حضرات مشائخ جس بات کو بتا رھے ھوں اس بات میں آدمی کی حفاظت ھوتی ھے خواہ اس وقت آدمی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے:

فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو کسی کے حوالے کیا ہے؟ ہمیں تو یہی بات سمجھ آئی تھی اور اسی بات کو سکھایا گیا تھا کہ اپنے آپ کو کسی کے حوالے کرنا ہے اور ہمیں اس بات کی تسلی تھی کہ جس کے حوالے کیا ہے وہ اپنے دِین کو بھی بچائے گا اور ہمارے بھی دِین اور آخرت کو بچانے کی فکر کرے گا۔اس لئے کہتے ہیں کہ حضرات مشائخ جس بات کو بتا رہے ہوں اس بات میں آدمی کی حفاظت ہوتی ہے خواہ اس وقت آدمی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ایک تو تجربہ ہوتا ہے جو لوگوں کی رہنمائی کرتے کرتے حاصل ہوتا ہے،اُس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کیسے اس آدمی کی دُنیا اور آخرت محفوظ ہوگی۔آدمی اتنی نفل عبادت میں لگ جائے کہ پاگل ہی ہوجائے یا صحت ہی کھو بیٹھے،شادی شدہ

آدمی ہو اور بیوی کے حقوق ہی پورے کرنے سے عاجز ہو جائے۔ اور اس کی بیوی بدکاری کی طرف مائل ہو کر اِدھر اُدھر پھرنے لگے تو اس نفل عبادت کا کیا نتیجہ ہوا؟ یہ ہے خودرائی پر چلنے کا نتیجہ۔

ایک صحابی کی شادی ہوئی۔ کچھ عرصے بعد ان کے باپ نے بہو سے پوچھا کہ آپ لوگوں کے کیا حال احوال ہیں؟ بہو نے کہا کہ ماشاء اللہ آپ کا بیٹا تو بہت مبارک ہے، سارا دن روزہ رکھتا ہے اور ساری رات عبادت کرتا ہے۔ والد صاحب بڑے خوش ہوئے کہ ماشاء اللہ بہو تو بڑی تعریف کر رہی ہے۔ بالآخر اس بیوی نے جنابِ رسول اللہ ﷺ کو شکایت کی۔ مطلب اس کا یہ تھا کہ سارا دن روزہ رکھتا ہے اور ساری رات عبادت کرتا ہے لیکن میرے حقوق تو پورے نہیں کر رہا۔ اُس نفل نیکی میں تو لگا ہوا ہے لیکن یہ واجب نیکی نہیں پوری کر رہا جو اس کے ذمّے لگی ہے۔ لہٰذا ہوگا کیا کہ بدکاری کا دروازہ کھلے گا۔ اور اس کے نفل اور مستحب کے نتیجے میں یہاں ایک معصیت اور کبیرہ گناہ کھڑا ہوگا تو اس کا کون ذمہ دار ہوگا؟ تو حضور ﷺ نے ان صحابی کو بلایا اور فرمایا (مفہوم) کہ آپ کے نفس کا بھی آپ پر حق ہے، آپ کی آنکھ کا بھی آپ پر حق ہے اور آپ کی بیوی کا بھی آپ پر حق ہے۔ اور فرمایا کہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور کھاتا بھی ہوں، سوتا بھی ہوں اور عبادت بھی کرتا ہوں۔

آدمی اس ذات ذوالجلال کے ساتھ وابستگی اختیار کرے جس کا امر جاری و ساری ہے اور اس کے پیغمبر ﷺ کی سنت کولے۔ پھر دیکھے کیا ہوتا ہے:

فرمایا کہ حضرت مولانا زکریا صاحبؒ نے فضائل صدقات میں اس واقعہ کو لکھا ہے۔ ایک نوجوان صحابی گرفتار ہو کر چلے گئے کفار کی قید میں اور انہوں نے ان کے دونوں ہاتھ چمڑے کے تسموں سے سخت جکڑ کر باندھ لئے۔ ان صحابی نے کسی آدمی کے ذریعے سے حضور ﷺ کو پیغام بھیجا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان سے کہو کہ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کریں۔ گناہوں سے بچیں اور صبح شام سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں پڑھتے رہیں۔ ایک دن ایسے ہوا کہ تسمے کھل گئے اور ہاتھ آزاد ہو گئے۔ نکلتے ہوئے کفار کی گائیں بکریاں بھی ہانک کر ساتھ لے گئے کیونکہ حربی کافر کا سب مال غنیمت ہے۔ حربی

کافر وہ ہے جس کے ساتھ جنگ ہو رہی ہو۔ اس کا مال... مالِ غنیمت ہے ہر ایک کافر کا نہیں۔ یونس علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ اگر نہ پڑھتے اس وظیفہ کو مچھلی کے پیٹ میں تو قیامت تک اس کے اندر پڑے رہتے۔ سمندر کا اندھیرا، پھر مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا اور بعضے ساتھی بتایا کرتے ہیں ایک مچھلی کو دوسری مچھلی نے کھایا ہوا تھا۔ اس کے پیٹ کا اندھیرا لیکن جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ پڑھا، سب اندھیروں میں اللہ نے بچایا، پالا اور زندہ نکالا۔

ہسپتال میں میری ڈیوٹی تھی۔ ایک کینسر کی مریضہ داخل ہوئی، اس کا باپ آیا، خوب موٹا، اس کا پیٹ بھی خوب پھولا ہوا، کہنے لگا کہ اگر انگلینڈ سے دوائی منگوانی ہو تو بھی منگوا سکتا ہوں بس میری بیٹی ٹھیک ہو جائے۔ میں نے دل میں کہا کہ کیا تجھے صرف اس دوائی سے شفا ملے گی، تو نے جو ظلم کئے ہوئے ہیں اور جہاں جہاں تو نے انسانوں کو تکلیف میں ڈالا ہوا ہے، جب تک اس سے توبہ کر کے نہیں آئے گا اور اللہ کے آگے گڑگڑائے گا نہیں کیسے ملے گی تمہیں شفا۔ یہ ایک کھلا ہوا راز ہے، آپ کے سامنے پڑا ہوا ہے، جان اور پہچان اس ذاتِ ذوالجلال کو جس کا امر جاری وساری ہے ہر چیز میں نافذ ہے۔ وہ چاہے تو بغیر اسباب کے کر کے دکھائے اور نہ چاہے تو اسباب سارے موجود ہوں لیکن کوئی تاثیر نہ نظر آئے۔ تُو کیوں اس کے ساتھ وابستگی اختیار نہیں کرتا کہ تُو اس کا ہو جائے، اس کے احکامات کو لے لے اور ان سے چمٹ جائے۔ اس کے پیغمبر ﷺ کی محبت کو دل میں لے لے اور وابستہ ہو جائے ان کے ساتھ تا کہ تیرے دنیا وآخرت کے سارے مسائل حل ہوں۔

ایک دفعہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ جوش میں تھے تو فرمایا کہ ابھی چاہیں تو اس انگریز کی حکومت کو ختم کر دیں لیکن کیا کریں سنبھالنے والا کوئی نہیں ہے پیچھے۔ وابستگی اختیار کرے آدمی اس ذاتِ ذوالجلال کے ساتھ جس کا امر جاری وساری ہے اور اس کے پیغمبر ﷺ کی سنت کو لے اور پھر دیکھے کہ کیا ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ ایسی راہ اختیار کرتے تھے جو ساری امت کے قیامت تک

آنے والے انسانوں کے لئے آسان ہو اور امت مشکل میں نہ پڑے:

فرمایا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بہت آسان راستے پر چلایا کرتے ہیں۔ مثلاً جناب رسول اللہ ﷺ سے سفر میں سنت پڑھنا ثابت ہی نہیں ہے۔ افغانستان میں جب چلّے کے لئے ہمیں بھیجا ہوا تھا تو لوگ ہمارے ساتھ اس بات پر بڑی لڑائیاں کرتے تھے کہ دورانِ سفر سنت کیوں نہیں پڑھتے ہو۔ ایک دو جگہ الجھنے کے بعد ہمیں اندازہ ہوا کہ اگر ہم یہاں سنت نہیں پڑھیں گے تو لوگ ہماری بات ہی نہیں سنیں گے۔ خود ان کا یہ حال ہے کہ راستے میں ظہر کی نماز کے لئے جب گاڑی کھڑی کرتے ہیں تو قصر کا بھی رواج نہیں ہے، پورے دس رکعت پڑھتے ہیں۔ اتنی علمی کمزوری ہے افغانستان میں کہ لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ سفر میں فرض نماز دو رکعت پڑھنی ہے اور قصر کرنا لازمی ہے۔ تو دس رکعت پڑھیں گے لیکن ایسے ٹکا ٹک پڑھیں گے کہ رکوع سے اٹھیں گے بھی نہیں، وہیں سے سجدہ اور ایک سجدے سے ہاتھ اٹھائے نہیں ہوں گے زمین سے کہ دوسرا سجدہ۔ ایسے ڈزا ڈز جیسے کہ نسوار کوٹنے والی مشین چل رہی ہو۔ دس رکعات ایسے پڑھیں گے کہ دیکھنے والے کو اندازہ ہوگا کہ ان میں سے ایک رکعت بھی ادا ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔ جو اہلِ علم ہوتے تو انھیں میں سمجھاتا کہ بتاؤ اگر دس رکعات نسوار کوٹنے والی مشین کی طرح نہ پڑھتے اور دو رکعات فرض اطمینان سے پڑھ لیتے تو کیا وہ بہتر نہیں تھا؟ جو سمجھدار ہوتا وہ سمجھ جاتا تھا اور دوسرے کہتے کہ سوک وہابی به ای چے ده سنّتو مخالف دے (یعنی کوئی وہابی ہوگا جو سنتوں کا مخالف ہے)۔ ایک جگہ میں نے دو رکعت نماز پڑھائی تو ایک شخص جو کہ عالم بھی نظر آتا تھا اتنا ناراض ہوا اور ماتھے پر بارہ بجے ہوئے۔ کہنے لگا آپ نے سنّت نہیں پڑھے ہیں۔ میں نے کہا جب آپ چار رکعت فرض پڑھ رہے تھے تو سنت میں نے پڑھے تھے۔ میں نے بھی دو رکعت سنّت یہ سوچ کر پڑھے تھے کہ ایسے بھی جب سب لوگ نماز سے فارغ ہوں گے تبھی گاڑی چلے گی۔ تو وہ بڑا خوش ہوا۔ مجھے اس علمی انحطاط پر بڑی حیرت ہوئی۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ سے سفر میں سنت پڑھنا ثابت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ آپ ایک ایسی راہ اختیار کرتے تھے جو کہ

ساری امت کے لئے آسانی کے ساتھ قیامت تک کے آنے والے انسانوں کے لئے آسان ہو اور امت مشکل میں نہ پڑے۔ نیز آپ ﷺ کا سنتیں نہ پڑھنا مسئلہ بیان کرنے کے لئے تھا جس کی وجہ سے شریعت بیان کرنے کا تبلیغی فریضہ ادا کرنے کا آپ ﷺ کو ثواب مل رہا تھا۔ ہم لوگ سفر میں اگر آسانی ہو تو پھر سنّتیں کیوں پڑھتے ہیں؟ یہ مسئلہ کہاں سے نکالتے ہیں؟ وہ ایک حدیث ہے کہ کچھ لوگ سفر کر رہے ہوں اور سفر کے بعد تھک تھکا کر لیٹ جائیں اور ان میں سے ایک آدمی وضو کر کے اللہ کے حضور کھڑا ہو جائے تو یہ اللہ کو بہت پسند ہے۔ تو اس سے حنفی علماء استنباط کرتے ہیں کہ جب اس تھکاوٹ کی حالت میں نفلوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے تو سنتوں کی فضیلت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگئی۔ لہٰذا اگر آسانی ہو دوسروں کے سفر میں حرج نہ ہو رہا ہو تو سنتیں پڑھ لینی چاہئیں۔ ایک تو عام بس ہے جس میں لوگوں کو تکلیف ہو رہی ہے وہاں تو جلدی وضو کریں دو رکعات پڑھ کر جا کے بیٹھیں۔ اپنی گاڑی ہو، وقت تنگ نہ ہو تو آدمی کا اپنا اختیار ہوتا ہے۔ پھر سنتیں ضرور پڑھنی چاہئیں۔

اللّٰہ کا فیصلہ ھے کہ دنیاداروں کو وسائلِ دنیا دئے جائیں گے لیکن ان کے فوائد نھیں دئے جائیں گے:

فرمایا کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین صحیح ترتیب سے کوشش کر کے دنیا و آخرت کی بہترین کامیابیاں لے کر چلے گئے، بعد کے لوگوں نے دُنیا بھی اتنی نہیں کمائی جتنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حاصل کی۔ ان کے مال و دولت، زمینوں جائیدادوں اور اولادوں کے حساب آدمی کتابوں میں پڑھے تو اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا سے بھی جتنے مزے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اٹھا کر گئے ہیں اتنا مزے آپ اور ہم دنیادار حاصل نہیں کر سکے۔ لوگوں کا تو مال کما کما کر اور اس کے لئے پریشان ہو ہو کر یہ حال ہوتا ہے کہ بعض مریض آ کر کہتا ہے کہ منہ کڑوا ہے، کھانے کے ذائقے کا پتہ نہیں چلتا تو یہ ڈپریشن اور Anxiety کی علامات ہیں کہ آدمی اتنا پریشان ہے اور اس نے کوئی ایسی Anxiety (اضطراب) اندر لی ہوئی ہے کہ جس نے اس کو دبا لیا ہے۔ کسی آنے والی پریشانی کو محسوس کر رہا ہے یا

کسی چلتی ہوئی پریشانی کو محسوس کر رہا ہے کہ خوب پلاؤ مرغے پکے ہوئے ہیں لیکن اس کو ذائقے کا پتہ نہیں چل رہا کیونکہ وہ تو اللہ کا فیصلہ ہے کہ دنیاداروں کو وسائلِ دنیا دیئے جائیں گے لیکن ان کے فوائد نہیں دئے جائیں گے۔ دنیا کے وسائل تو ان کے پاس آگئے ہیں لیکن اس کے فوائد نہیں آئیں گے۔ بہترین کھانے تو ان کے پاس ہوں گے لیکن ان کھانوں سے زبان لطف اٹھائے... یہ نہیں ہوگا۔ بہترین بستر ے اور محل تو ان کے پاس ہونگے لیکن سکون محسوس ہو اور آرام کی نیند آئے یہ نہیں ہوگا۔

ایک آیت میں کہا کہ دنیا کی یہ چیزیں ہم کفار کو دیں گے لِنُعَذِّبَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کہ وسائل اس لئے دئے ہوں گے تا کہ ان کے ذریعے ان کو عذاب دیا جائے۔ مال و دولت، اولاد، عہدے، کرسیاں، زمینیں جائیدادیں، ساری چیزیں تو ہیں لیکن ہیں عذاب کے طور پر۔ خان صاحب تو رات کو جوار کی روٹی کھا رہے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے پرہیز مقرر کی ہوئی ہے اور جن خوار مولویوں سے ختم پڑھوایا ہے ان کو مرغے مل رہے ہیں اور کھا رہے ہیں اور چونکہ اس مرغے پر نہ تو میرے پیسے لگے ہیں کہ مجھے پریشانی ہوئی نہ پکاتے ہوئے مجھے کوئی غم ہوا کہ پتہ نہیں مہمانوں کو اچھا لگے گا کہ نہیں، خوب آرام سے Relax ہو کر (سُر سے) کھا رہے ہیں اور ڈکاریں مار رہے ہیں۔ ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ مجھے بڑی کوفت ہوتی ہے جب یہ مولوی صاحبان ڈکاریں مارتے ہیں۔ میں نے کہا تمہارا معدہ صحیح ہضم ہی نہیں کرتا کہ تم بھی ڈکاریں مارو۔

اگر تقویٰ سیکھ لو گے تو نہ دھواں لگے گا نہ آگ جلانے کیلئے پھونکیں مارنی پڑیں گی اور اللہ تعالیٰ روزی دے گا:

فرمایا کہ ہمارے ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ اگر تقویٰ سیکھ لو گے تو خدائے بہ بغیر لوگئے بغیر پھوکئے روزی ورکئی یعنی آگ اور دھویں کے بغیر اللہ تعالیٰ روزی دے گا۔ واقعی ان بزرگ کے حال کو میں دیکھتا تھا، جب بھی ان کے دستر خوان پر جائیں تو دنیا جہان کی چیزیں ہوتی تھیں۔ شہر کے تاجر ملنے کے لئے جاتے تو یہ ان کی بڑی ڈانٹ ڈپٹ کیا کرتے تھے۔ ایک تاجر بڑا

مذاقی تھا ان کو لالا کہا کرتا تھا۔ ایک دن کہنے لگا کہ لالا کی اکیلی جان لیکن سیر بھر بھُنا ہوا گوشت کھاتا ہے۔ میری طرح دکان پر بیٹھ کر اس کو کمانا پڑتا تو پتہ چلتا۔ ان کی زندگی میں تو ان کے حالات نہیں سنائے تھے لیکن آخری دنوں میں حالات سنائے کہ آج سے چالیس سال پہلے اس آدمی کی دو دکانیں تھیں، ان کو بیچ کر سارا پیسہ لے کر رائیونڈ گئے، زندگی بھی وقف کی اور پیسے بھی۔ اس وقت اس نے اللہ کو پیسہ ادھار دیا تھا اقرض اللّٰہ قرضاً حسناً تو اب اس کا نفع کھا رہا ہے۔ آج کل تو لوگ سود کو نفع کہتے ہیں یا Profit اور Mark-up کہتے ہیں۔ تو خیر اتنا قرضہ دیا ہے کہ اب اس کا Fixed Deposit چل رہا ہے اور وہ کھا رہا ہے اور بے غم ہے۔ بغیر لوگئے بغیر پھوکئے خدائے ورکئی۔

اللّٰہ تعالیٰ ھمیں آسانی سے چھڑانا چاھتے لیکن ھم اور آپ سینگ اندر ڈالتے ھیں کہ میں بارہ سنگا کی طرح اور الجھنا چاھتا ھوں:

فرمایا کہ میں فیصل آباد میں تھا تو وہاں ایک ڈاکٹر صاحب نے مجھے ایک قصہ سنایا۔ اس نے کہا کہ بھائی بیمار ہو گیا تھا، ہڈی کی ٹی بی ہو گئی تھی۔ اس کے ایکسرے کر کے علاج کر رہے تھے اور علاج کارگر نہیں ہو رہا تھا۔ ایک مدرسے میں داخل کیا ہوا تھا حالانکہ ہمارا جاٹ زمینداروں کا خاندان ہے، مدرسے میں کون داخل کرتا ہے۔ خیر ہم نے اس کو مدرسے میں داخل کیا ہوا تھا۔ پنجاب میں راجپوت یا جاٹ صاحبِ جائیداد ہوتے ہیں۔ جس طرح ہمارے علاقے میں کسی بڑے گھرانے کے لڑکے نے اقامت کہہ دی تو باپ کہتا ہے: دا لوبہ دِ کڑے دہ صبا چرتہ بانگ اونہ وائے، منگ او نہ شرمے۔ کہ آج اقامت تو تم نے کر لی لیکن کل کو اذان کہہ کر ہمیں بے عزت نہ کر دینا۔ نعوذ باللہ! یہ حال ہوتا ہے بڑے خاندانوں کا۔

انہوں نے کہا ہم کُندیاں شریف گئے حضرت خواجہ خان محمد صاحب مدظلہٗ کے پاس۔ بہت بڑے بزرگ ہیں اللہ ان کی زندگی میں برکت ڈالے (اس وقت حضرت حیات تھے)۔ ان سے ملے

اور کہا کہ حضرت یہ لڑکا بیمار ہے، علاج کارگر نہیں ہو رہا ہے۔ انہوں نے دیکھا اور مسکرائے اور کہا کہ یہ ڈاکٹر صاحبان سمجھتے ہیں کہ شفا کا بس ایک ہی راستہ ہے۔ کہتے ہیں کہ پانی کی ایک بوتل لی، کچھ کلمات پڑھ کر پھونک ماری، وہ ہم نے لے جا کر بھائی کو دی اور اللہ نے صحیح سالم کر دیا۔ ڈاکٹر نے کہا اس کو بلائیں تاکہ اس کا ایکسرے کریں۔ ہم نے کہا ہم اب آپ کے ایکسرے کے لئے نہیں آئیں گے، شفا چاہئے تھی، وہ ہوگئی۔

فیصل آباد کا ہی دوسرا قصہ ہے۔ فیصل آباد تبلیغی جماعت کے ساتھ ہم گئے ہوئے تھے۔ وہاں مقامی ساتھیوں نے ایک ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کروائی۔ ان کی ران کی ہڈی ٹوٹی ہوئی تھی اور کوشش کر کر کے عاجز آ گئے تھے لیکن جڑتی نہیں تھی۔ اس میں ایک سال لگ گیا تھا۔ اس کی عیادت کے لئے گئے، تسلی دی، حوصلہ بڑھایا۔ میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا: ''Non-Union (نہ جڑنے) کی پیچیدگی (Complication) ہے۔'' آپریشن کرتے ہیں ناکامیاب ہوتا ہے۔ خیر میں تو آ گیا۔ اس نے وہاں سے خط لکھا کہ ڈاکٹر صاحب! آپ تو چلے گئے لیکن میں نے سنا ہے کہ آپ کے پیر صاحب بہت بڑے بزرگ ہیں، آپ کے پیر صاحب کی دعا سے اللہ نے لوگوں کے بڑے مسائل حل کئے ہیں۔ آپ میری بھی درخوست پیش کر لیں اور میرے لئے بھی دعا کروا لیں اور کچھ تدبیر پوچھ لیں۔ حضرت مولانا صاحبؒ زندہ تھے، میں نے ان سے عرض کیا۔ انہوں نے کہا ہمارا ایک تعویز اس کو بھیج دو، تعویز بھیج دیا، کچھ ہدایات بھی بھیجیں کہ اللہ کی ذات سے پوری امید رکھیں، اللہ آپ کو شفا دے گا۔ دوسرا یہ کہ اب کے آپ جو آپریشن کروائیں تو فیصل آباد میں نہ کروائیں، جگہ کو بدل دیں، کسی دوسری جگہ جا کر کروائیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کی ہڈی جڑ جائے گی اور اللہ تعالیٰ فضل فرما دے گا۔ آپریشن لاہور میں کروایا اور کامیاب ہو گیا۔ دوبارہ فیصل آباد جانا ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ خوب ہٹا کٹا، چھ فٹ قد اور مسجد میں کھڑا مزے سے نماز پڑھ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آسان راستے سے چھڑانا چاہتا ہے لیکن ہم اور آپ سینگ اندر ڈالتے ہیں کہ میں بارہ سنگا کی طرح اور الجھنا چاہتا ہوں۔

(جاری ہے)

میرے سر کا تاج ..... جو ٹوٹ گیا !!

(ام مولانا محمد یوسف)

(یہ مضمون حضرت مولانا محمد امین صاحب اورکزئی شہید جو ایک بمباری میں غلط فہمی سے یا غلط عقائد والوں کے انتقام کی وجہ سے شہید ہوئے، ان کی اہلیہ کا ہے۔ واقعی ایک اہلیہ کا خاوند کے بارے میں ایسا مضمون اس بات کا ثبوت ہے کہ متوفی خاص اولیاء اللہ میں سے تھے۔ یہ مضمون ان کی غیر مطبوعہ سوانح سے ہے۔ یہ بے مثال سوانح رسالہ 'المظاہر' کوہاٹ کے خاص نمبر کی صورت میں شائع ہونے والی ہے۔ بندہ کی سارے مریدوں کو تاکید ہے کہ اس بے مثال نمبر کی پہلے سے بکنگ کرلیں۔ ادارہ)

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے
لہو ہے جو شہید کا وہ قوم کی زکوٰۃ ہے
واہ واہ واہ کیا عجیب بات ہے
واہ واہ واہ کیا عجیب بات ہے

.....

ایک عورت کے لئے سب سے بڑا سایہ وسہارا شوہر کی ذات ہوتی ہے، یہ سہارا زندگی میں چھن جائے اور یہ سایہ سر سے اٹھ جائے تو زمانے کی ابتلاؤں کا درد دگنا ہو جاتا ہے۔ والدین کے لئے اولاد بھی بڑا سہارا اور خداوند عظیم کی بیش بہا نعمت ہوتی ہے، تاہم زوجین کا باہمی تعلق اور رشتہ کا نعم البدل نہیں، پھر اگر قدرت کی ایسی دستگیری ہو کہ زوجین یک جان دو قالب ہوں، زندگی بھر کبھی ایک دوسرے کو شکایت کا موقع نہ دیا ہو، ایک دوسرے کی راحت وآرام کے لئے ہمیشہ اپنے چین وسکون کو قربان کرنا آسان معلوم ہوا ہو، تو ان کا فراق کس قدر الم ناک ودرد انگیز ہوگا یہ وہی جان سکتے ہیں جو اس آگ کی بھٹی سے گزریں ہوں۔

حضرت مولانا ابو یوسف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک باکمال اور اونچے اخلاق وصفات

والے شخص تھے۔ یہ میری خوش بختی اور سعادت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے میری قسمت ان کے ساتھ جوڑ دی تھی۔ آپ کی محیر العقول زندگی کے بعض گوشے ایسے ہیں جن کی واحد راز دار میں ہوں۔ میں نے رفیقۂ حیات کی حیثیت سے ان کے بعض ایسے کمالات دیکھے کہ وہ آپ کے متعلقین کی نظروں میں نہیں آئے ہوں گے۔ کئی واقعات ہیں لیکن یاد کرتے ہوئے دل چرتا ہے اور بے قراری ہوش وہواس معطل کر دیتی ہے، اس لئے ارادہ کرتی بھی ہوں تو سنانے اور لکھوانے سے قاصر ہوں۔

وہ میرے لئے بہترین جیون ساتھی اور بہترین شوہر تھے۔ آپ نے اپنے علم وتقویٰ اور بلند مقام کے باوجود مجھ جیسی ایک عام خاتون کے ساتھ عمر بھر ایک مثالی شوہر اور دوست کی زندگی گزاری، ہر طرح سے میری راحت وآرام کا خیال رکھا اور اپنی وسعت سے بڑھ کر رکھا۔ الحمدللہ مجھے بھی کبھی شکایت یا بتکلف ناز برداریوں کی عادت نہیں ہوئی۔ آپ کی ابتدائی زندگی مجاہدہ کی تھی۔ الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے سخت اوقات وحالات میں آپ کے ساتھ مجاہدات وتکالیف میں ایک شریک حیات کے طور پر شانہ بشانہ چلنے کی توفیق دی۔

جب ہماری شادی ہوئی تو اسی سال آپ دورۂ حدیث شریف کر کے فارغ ہو گئے تھے، لیکن پھر اپنے استاذ کے مطالبے پر تخصص فی الحدیث کے لئے تشریف لے گئے۔ رخصتی کے بعد حضرت کی جو پہلی گفتگو میرے ساتھ ہوئی وہ میرے ساری زندگی کے لئے سبق آموز تھی۔ وہ گفتگو میرے ذہن میں آج بھی نقش ہے۔ فرمایا: ''میں نے شادی محض اس نیت سے کی ہے کہ یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اس کے علاوہ شادی کا کوئی دوسرا جذبہ اور داعیہ نہیں تھا۔ نہ تو مجھے اولاد کی خواہش ہے اور نہ اس کی کہ گھر میں کھانے پکانے یا خدمت کی حاجت ہے۔ الحمدللہ میں سارے کام خود کر لیتا ہوں لیکن تکمیل سنت کے جذبے اور داعیے کی بنا پر میں نے عقد نکاح کیا ہے، لہٰذا ہماری رفاقت کی بنیاد خالص دینی ہے اور اس میں کسی دوسرے جذبے کی آمیزش نہیں ہے۔''

دوسری بات یہ ہے کہ آپ سے پہلے میرا ایک اور رشتہ ہو چکا ہے اور وہ رشتہ 'علم' اور 'کتاب'

سے ہے۔ یہ رشتہ مجھے بہت عزیز ہے، میں آپ سے پیشگی معافی طلب کرتا ہوں کہ اس رشتے کا پاس رکھنے کی وجہ سے مجھ سے آپ کے حقوق میں کوتاہی ہوگی اور مجھے امید ہے کہ آپ مجھے معاف کردوگی۔

تیسری بات یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے راستے کا طالب علم ہوں، میرے پاس جو رقم آتی ہے وہ میں گھر کے ضروری اخراجات اور کتابوں پر صرف کرتا ہوں، اس سے بچ جائے تو بھائیوں اور چچاؤں کو دیتا ہوں کہ ان کے اس احسان کا کچھ بوجھ اتار سکوں جو انہوں نے آٹھ دس سال تک مجھ پر مسلسل خرچ کرکے کیا ہے۔ اس لئے مجھ سے پیسوں کی تمنا نہیں رکھنا۔ ہاں! میں آپ کے لئے ایک سلائی مشین خرید لوں گا اور چنگیر اور چھابے بنانے کے لئے بان وغیرہ لے آؤں گا، آپ کو گھر کے کاموں سے فرصت ملے تو اپنے اوقات اس میں لگانا، اس سے آپ کو ذاتی آمدنی حاصل ہوگی، جس سے آپ اپنی سہولت یا آسائش کا سامان کرسکیں گی۔''

حضرت کی ان باتوں سے مجھ پر کوئی مایوسی یا بوجھ نہیں بنا، بلکہ میرے اندر ایک ولولہ اور جوش پیدا ہوا اور میں نے اپنے رفیق کا ساتھ دینے کا عزم کرلیا۔ حضرت نے میرے لئے سلائی مشین خرید لی۔ اس وقت خواتین کی فی جوڑا ایک روپیہ سلائی ملتی تھی۔ اسی طرح چنگیر بنانا شروع کردیئے۔ حضرت کے چچا صاحب میلوں پر چیزیں بیچنے خریدنے جایا کرتے تھے تو میرے چنگیر، چھابے بھی بیچنے ساتھ لے جاتے تھے۔ کوئی آٹھ آنے یا روپیہ میں بک جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت ڈالی کہ میں اپنی ذاتی آسائش کے ساتھ گھر کے ضروری اخراجات میں بھی حضرت کی معاونت کرلیتی اور بچوں کے لئے بھی چیزیں خرید لیتی اور حضرت بوقت ضرورت مجھ سے قرض بھی لے لیتے۔ ہمارے عام ماحول میں عورت کی ذاتی ملکیت کا کوئی احترام نہیں لیکن حضرت اس حوالے سے سخت محتاط تھے اور کبھی میری رقم میری اجازت کے بغیر نہیں لی، رقم کی واپسی کا بھی اہتمام فرماتے۔

آپ اپنی علمی اور سماجی مصروفیات کے باوجود کوشش کرتے کہ گھر کے لئے وقت نکالیں۔ میں بھی اپنی طرف سے پوری کوشش کرتی کہ چھوٹے موٹے کام کبھی آپ کو نہ کہوں کہ آپ کی یکسوئی

متاثر نہ ہو لیکن خود آپ کو پوری فکر رہتی، ہر جمعہ کو ہفتہ بھر کا سودا سلف بازار سے بذات خود لاتے تھے۔

گھریلو کاموں میں میرا ہاتھ بٹانا ان کا معمول تھا۔ ہمارے ہاں یہ مردوں کے لئے عیب سمجھا جاتا تھا اور مجھے بھی عام ثقافت کی وجہ سے آپ کا گھریلو کاموں میں ہاتھ بٹانا سخت باعث شرم محسوس ہوتا لیکن آپ فرماتے کہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے اور ہمارے بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے۔ اس پر کئی واقعات مجھے یاد آرہے ہیں۔ سبزی کاٹنا اور صفائی وغیرہ کرنا تو آپ کا معمول تھا۔ میں گھر کے کاموں میں مصروف ہوتی تو آپ باورچی خانے سے خود ہی سامان اٹھا کر ایک طرف بیٹھ جاتے اور سبزی کاٹ لیتے تھے۔ چولہا جلا لیتے اور اس میں کبھی عار محسوس نہیں فرماتے۔

ایک بار حضرت کے کچھ مہمان آئے۔ الحمد للہ مہمانوں کا سلسلہ دن بھر جاری رہتا اور اللہ تعالیٰ مجھے خدمت کی توفیق دیتے۔ حضرت جلدی سے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ مہمانوں کے لئے کھانے کا بندوبست کرنا ہے۔ مرغی ذبح کرنی ہے، آپ ذرا مرغی دیکھ لیں۔ ہماری گھریلو مرغیاں ہوتی تھیں جو باہر کھیتوں میں گھومتی رہتی تھیں۔ میں کپڑے دھونے بیٹھی ہوئی تھی، جلدی سے اٹھی تاکہ بچوں کو بھیج کر مرغیاں گھر کی طرف بھگانے کا کہہ دوں۔ مرغی پکڑنا بھی خاصا کام ہوتا تھا، آوازیں دے دے کر مشکل سے اپنے پاس بلا کر بہت دشواری سے پکڑا جاتا، میں اس کام میں لگ گئی اور کپڑوں کی طرف سے دھیان ہٹ گیا۔ جب میں گھر کی ڈیوڑھی سے مرغی پکڑ کر اندر آئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ حضرت نے کپڑے دھو کر نچوڑ کر تار پر لٹکا بھی دیئے ہیں۔ مجھے بڑی حیرت اور شرمندگی ہوئی، دست بستہ عرض کیا کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ میرے لئے سخت باعثِ عار ہے، آپ ایسا نہ کریں، اس پر مسکرا کر فرمایا کہ اللہ کی بندی! اس میں کیا حرج ہے؟ آپ ایک کام میں مصروف ہو گئیں، میں ایسے فارغ بیٹھا رہتا، اس سے بہتر تھا کہ یہ کام نمٹا لوں۔

ایک بار حضرت بڑی جلدی سے تشریف لائے، میں آٹا گوندھ رہی تھی۔ فرمایا کہ بڑے دور سے مہمان تشریف لائے ہیں، ذرا عمدہ چائے جلدی سے بنا دیں۔ حضرت جب کسی کام کا فرماتے تو میں

کتنے ہی اہم کام میں مصروف ہوتی فوراً اسے چھوڑ دیتی۔ میں نے جلدی سے آٹے کی تھال پر کوئی چیز رکھ دی اور اٹھ کر باورچی خانے چائے بنانے چلی گئی، چائے بنا کر جب میں باہر نکلی تو یہ عجیب منظر دیکھا کہ حضرت آستین چڑھائے آٹا گوندھ رہے ہیں۔ میں جلدی سے لپکی اور منت سماجت کر کے بولی کہ یہ کیا کر دیا؟ مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں، بس آپ کا کام آسان ہو جاتا ہے۔

ایک بار میں مہمانوں کا سالن بنا رہی تھی، حضرت تشریف لائے اور فرمایا کہ کچھ اہم مہمان تشریف لائے ہیں، آپ چائے بنا دیں، میں نے عرض کیا کہ گھر میں دودھ موجود نہیں، قہوہ بنا دوں؟ فرمایا کہ نہیں دور کے مہمان ہیں، چائے دودھ والی بنانی ہے۔ میں نے دوسرے چولہے پر چائے بھی رکھ دی، ارادہ کر رہی تھی کہ جا کر کسی رشتہ دار کے گھر سے گائے کا دودھ لے آؤں۔ واپس آ کر دیکھتی ہوں کہ حضرت کے ہاتھ میں دودھ سے بھرا ہوا برتن ہے، پوچھنے پر بتایا گیا کہ فلاں بکری سے دوہ لیا۔ ہمارے علاقے میں جانوروں کا دودھ دوہنا خواتین کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے اور مردوں کے بارے پھر اتنے ذی وجاہت علما کے بارے میں تو یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے ہاتھ سے یہ کام کر دیں، میں حسب سابق حیرت واستعجاب کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے جانوروں کا دودھ دوہنا ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ کافی زمانہ سے اس سنت پر عمل کرنے کی خواہش تھی الحمدللہ آج اس کی بھی تکمیل ہو گئی اور یہ فرماتے ہوئے دودھ کا برتن مجھے تھما دیا۔

یہ تو حضرت کی گھریلو زندگی کے چند واقعات تھے، گھر سے باہر کی ذمہ داریاں تو اس سے بھی بڑھ کر فکرمندی سے پوری فرماتے۔ اپنے ہاتھوں سے زراعت کرتے، کھیتی کا سارا کام خود کرتے، طلبہ کرام بھی ساتھ مل جاتے، گندم کی کٹائی اور گاہائی بھی اپنے ہاتھ سے انجام دیتے۔ جانور پالنا، ان کی دیکھ بھال کرنا، گھر کے لئے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانا، جانوروں کے چارے کا بندوبست کرنا عمومی ذمہ داریاں تھیں۔ کبھی یہ نہیں جتلایا کہ وہ اتنے بڑے عالم ہیں، یا قومی کاموں اور جرگوں میں مصروف رہتے ہیں بلکہ ہمیشہ میرا احسان مانا حالانکہ باوجود انتہائی زیادہ مصروفیات کے وہ مجھ سے بڑھ کر گھریلو

ذمہ داریوں کو پورا فرماتے۔

اپنے بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں اور خاندان کے ہر فرد سے مثالی شفقت کا رویہ رکھتے تھے۔ خاندان میں کوئی بیمار ہوتا تو مجھے بھی عیادت کی تاکید کرتے اور خود بھی پہنچتے بلکہ حتی الوسع تعاون بھی کرتے اور ان کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے۔ بڑے بھائیوں کا اپنے والد کی طرح احترام فرماتے تھے اور ہم سے بھی یہی تقاضا ہوتا تھا۔

بچوں کی تربیت کا خاص خیال رکھا خصوصاً دینی حوالے سے کوئی کوتاہی برداشت نہیں کی۔ بڑے بیٹے مولوی یوسف کو حافظ قرآن بنانے کی خواہش تھی مگر ابتدا میں اکلوتا تھا، اکثر بیمار رہتا بلکہ کئی دفعہ تو موت کے منہ سے واپس آیا تھا اور صحت کی خرابی کے وجہ سے سفر کے قابل بھی نہیں تھا، اس لیے اکثر اپنے ساتھ رکھتے اور اس کے بارے میں یہ خواہش تھی کہ بس ایک اچھا اور مثالی بندہ بن جائے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی کہ بڑے بیٹے کو عالم دین اور چھوٹے بیٹے ظہیر الدین کو حافظ قران بنایا جو حضرت کی شہادت کے بعد مزید پڑھائی کی بجائے اپنے معاشی کام کاج کی طرف متوجہ ہو گیا۔

رسم ورواج اور توہمات سے سخت نفرت تھی۔ ہمارے علاقوں میں خواتین میں توہمات اور رسومات ورواجات کی وباعام تھی، مگر الحمدللہ حضرت کی برکت سے ہمارا پورا خاندان ان چیزوں سے پاک رہا۔ ہم نے کبھی رسومات وغیرہ میں کوئی دلچسپی نہیں لی بلکہ اپنی استطاعت کے مطابق دیگر خواتین کو بھی ان چیزوں سے روکنے کی کوشش کرتی رہی۔

حضرت کی ساری زندگی زہد اور قناعت سے عبارت تھی۔ ہم نے چالیس سالہ رفاقت پرانے زمانے کے دو کچے کمروں میں گزاری جن کی دیواریں مٹی گارے سے چنی ہوئی تھیں اور چھت کو کئی ستونوں کے ٹیک دے کر خاشاک اور نرکل کے پتوں سے ڈھانکا گیا تھا۔ حضرت کو کبھی پختہ گھر بنانے کا خیال پیدا نہیں ہوا، الحمدللہ حضرت کی برکت سے کبھی ہماری بھی یہ تمنا نہ ہوئی کہ اپنا پختہ گھر بنے۔ حضرت ہمیشہ سادگی اور قناعت کی ترغیب دیا کرتے تھے، صحابہ کرامؓ اور اسلاف کے عسرت اور تنگی کے حالات

سنایا کرتے تھے اور فرماتے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی ہے، عاقبت بنانے کی فکر کرنی چاہیے۔

حضرت کا ذوقِ عبادت و دعا بھی قابل رشک تھا۔ آپ عموماً مدرسہ سے اس وقت فارغ ہو کر گھر آتے، جب ہم سو چکے ہوتے، کیونکہ دن بھر مہمانوں اور طلبہ کی خدمت اور گھریلو کام کاج کی وجہ سے آرام کا موقع نہیں ملتا تھا، اس لئے عشا پڑھ کر متصلاً سونے کا معمول تھا، جب کہ حضرت تو مدرسہ کے کتب خانہ میں رات دیر تک مطالعہ اور لکھنے لکھانے کے کاموں میں مشغول ہوتے تھے۔ لیکن رات کو جب آنکھ کھلتی تو عموماً آپ کو دعا و عبادت میں مشغول پاتی، لمبی لمبی نمازیں پڑھتے اور طویل دعائیں مانگتے۔ زندگی بھر آپ کے تہجد کے مختلف نظارے اور عجیب و غریب حالات دیکھے ہیں لیکن وہ ایک راز ہیں جنہیں میں افشا نہیں کرنا چاہتی۔

آپ کے پاس اپنے بزرگوں کی کئی تبرکات تھیں۔ ان کو گھر کے ایک بکس میں سنبھال کر رکھا تھا، خصوصاً ایک مٹی کے برتن کے بارے میں مجھے سخت تاکید کی تھی کہ اس کی بڑی فکر رکھنی ہے کہ کہیں ٹوٹ نہ جائے۔ مجھے بتایا کہ یہ برتن ''روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی مبارک کو بیر زمزم اور بیر شفا'' کے پانی میں گوندھ کر بنایا گیا ہے۔ اب یہ معلوم کرنے کی جرأت مجھے نہیں ہوئی کہ وہ برتن آپ کے پاس کہاں سے آیا تھا؟ تاہم اس برتن کی حفاظت تمام اشیا سے بڑھ کر کرتے تھے۔ اسے کبھی استعمال نہیں فرمایا، بلکہ جب ہاتھ میں لیتے تھے تو رنگ متغیر ہو جاتا اور جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی۔

حضرت کی توجہ اور شفقت الحمدللہ ہمیشہ مجھ پر میرے استحقاق سے بڑھ کر رہی۔ ہر بیوی کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے اپنے شوہر سے ہر طرح کی راحت اور آرام ملے لیکن عورت کی ایک نفسیات یہ بھی ہے کہ وہ شوہر کی محبتوں اور چاہتوں کے باوجود اپنا مخدوم ہی دیکھنا پسند کرتی ہے اور خود خادمانہ رویے کو اعزاز سمجھتی ہے جب شوہر اس کے خادمانہ رویے کا اعتراف کرے اور اسے سراہے تو خاتون پھولے نہیں سماتی۔ اس نفسیات کے تحت حضرت سے تمام تر ناز و نیاز کی تمنا کے باوجود میری قلبی خواہش یہی رہی کہ میری خادمانہ زندگی پر آپ کا اطمینان رہے اور الحمدللہ حضرت سے اطمینان کی سند مجھے ملتی

رہی لیکن بعض اوقات حضرت میری راحت کے خیال میں کچھ ایسا کر جاتے کہ میں شرم سے پانی پانی ہو جاتی۔

ایک دفعہ میں سخت بیمار تھی، زور کا بخار تھا، گھر کے کاموں کا بھی ہجوم تھا، حضرت کو میری بڑی فکر تھی، لیکن وہ کچھ اہم قومی مسائل میں الجھے ہوئے تھے۔ بخار میں تپتے تپتے پتہ نہیں کب میری آنکھ لگ گئی۔ رات کو حضرت گھر آئے تو بجلی نہیں تھی، حضرت کو فکر ہوئی کہ اس کی آنکھ لگ گئی ہے، کہیں گرمی کی وجہ سے دوبارہ جاگ نہ جائے۔ آپ نے دستی پنکھا اٹھایا اور جھلنا شروع کیا۔ پتہ نہیں کتنی دیر سے بجلی نہیں تھی اور کتنا وقت آپ پنکھا جھلتے رہے کہ اچانک کروٹ لیتے ہوئے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ رات کے قریباً دو پہر گزر چکے ہیں اور حضرت بیٹھ کر پنکھا جھل رہے ہیں۔ میری آنکھیں بھر آئیں اور اچھل کر بیٹھ گئی اور منت سماجت کرتے ہوئی بولی کہ حضرت! یہ کیا غضب کرتے ہیں؟ مجھے کیوں گناہ گار کر رہے ہیں؟ حضرت اس پر قدرے غصہ ہو کر فرمانے لگے کہ آپ بیمار ہیں اور آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ ٹھیک ہے میں پختون ہوں اور آپ کی پختونی غیرت میرا یہ سب کچھ گوارا نہیں کر رہی لیکن یہ میرا فرض تھا، آپ آرام کریں۔ اب آرام مجھے کہاں آئے؟ میں سوچتی رہی کہ ایسے شفیق خاوند بھی ہوا کرتے ہیں۔ سارا دن مہمانوں کا ہجوم رہا ہے۔ لمحہ بھر کے لئے آپ کو آرام کی فرصت نہیں ملی، سنگین قومی مسائل چل رہے ہیں، اس کی وجہ سے سخت ذہنی تھکاوٹ ہوتی ہوگی۔ پھر رات دیر تک مطالعہ میں مصروف رہے ہوں گے لیکن ان تمام تھکاوٹوں کے باوجود میرے آرام کی اس درجہ فکر ہے۔ یہ سب کچھ میرے لئے بہت عجیب تھا کیوں کہ ہم جس ثقافت میں زندگی گزارتے تھے، وہاں کا مرد تو صرف بت ہوتا تھا اور عورت کے ذمے اس کی پوجا ہوتی تھی، لیکن یہ دین کی برکت تھی کہ حضرت نے ہمارے حق سے زیادہ ہمارا خیال رکھا۔

حضرت نے سارے بچوں کی شادیاں ایسی سادگی سے کیں کہ کم از کم ہمارے علاقے کی حد تک کوئی اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ شادی چونکہ اسلامی معاشرے میں اتنی مشکل نہ تھی جتنا اسے

آج کل بنا دیا گیا ہے اس لئے لوگ طرح طرح کی مصیبتوں، قرضوں اور آزمائشوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حضرت کی تربیت کی برکت تھی کہ ہم خواتین کو بھی شادیوں کے حوالے سے حضرت کے رویے پر کوئی ناراضگی یا اشکال پیدا نہیں ہوا۔ یوسف کی شادی اس طرح ہوئی کہ حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ مدرسہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ عصر کی نماز کے بعد حضرت نے اعلان فرمایا کہ ابھی حضرت مولانا عبداللہ صاحب ایک نکاح پڑھائیں گے۔ آپ حضرات میں سے جو شریک ہونا چاہتے ہیں، تشریف رکھ لیں۔ پھر حضرت نے یوسف کو بلایا، اس بے چارے کو علم ہی نہ تھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ حضرت نے ان سے فرمایا کہ بھئی! حضرت تیرا نکاح پڑھیں گے، اسی مجلس میں سادگی سے نکاح پڑھا گیا، حضرت نے خود ہی کچھ چھوارے منگوائے تھے اور حاضرین میں تقسیم فرمائے۔ مجھے گھر میں اطلاع ملی کہ یوسف کا نکاح ہو گیا، خوشی بھی تھی، تعجب بھی تھا لیکن حضرت کی ادائیں تو ساری ہی ایسی نرالی تھیں، لہٰذا کیا کہا جا سکتا تھا اور کچھ کہنے کی جرأت بھی نہ تھی۔ جب گھر تشریف لائے تو فرمایا کہ ضروری انتظام کر لیں، تین دن بعد یوسف کا ولیمہ ہوگا۔ لہٰذا میں ضروری انتظام اور رشتہ داروں کو پیغام دینے میں لگ گئی۔ ولیمہ بھی انتہائی سادہ مختصر فرمایا۔ اس طرح جب بڑی بچی کا نکاح اور رخصتی تھی تو یوسف تک کو علم نہ تھا۔ ایک دن قبل بتایا کہ ضروری انتظام کر لیں، کل بچی کو رخصت کرنا ہے۔ اگر ہمارا معاشرہ شادی کے متعلق اس معیار کو اپنا لے تو نہ تو کوئی پریشانی ہوگی اور نہ یہ مصیبتیں پڑیں گی جو شادی کے بعد خاندانوں کے ٹوٹنے کی شکل میں پڑتی ہیں۔

میرے والد صاحب کی پہلی اہلیہ سے اولاد نہ تھی۔ اولاد کی خواہش میں دوسرا عقد کیا اور میری شکل میں اللہ تعالیٰ نے 'اکلوتی' اولاد عطا فرمائی۔ میرا کوئی بھائی تو تھا نہیں، والد صاحب بھی شادی کے چند سال بعد انتقال کر گئے تھے۔ فطرتاً ایسی عورت اپنے اندر ایک محرومی کا احساس رکھتی ہے لیکن حضرت کے سلوک نے مجھے ہر رشتہ کی چاہت سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ کبھی عمر بھر احساس نہیں ہونے دیا کہ میرا بھائی یا باپ موجود نہیں ہے۔

شادی کے بعد ہم حضرت کے بڑے بھائی اور میرے جیٹھ حاجی عین الدین صاحب کے ساتھ ایک گھر میں شریک رہتے تھے۔ حضرت نے مجھے جیٹھانی صاحبہ سے عاجزانہ تعلق، ان کی خاطر داری اور کاموں میں بڑھ چڑھ کر معاونت کی ہمیشہ تاکید کی۔ باورچی خانے کا کام شروع سے میرے سپرد رہا، چونکہ طلبہ کا کھانا بھی مجھے بنانا ہوتا تھا تو گھر کا بھی میں بناتی۔ حضرت مجھے ہمیشہ قناعت کی تلقین کرتے۔ مشترکہ گھر میں اس درجہ احتیاط رکھی کہ مجھے کہا کہ آپ چونکہ کھانا بناتی ہیں، آپ کو اندازہ ہے کہ گھر کے افراد کتنی مقدار کھاتے ہیں، خواتین میں جو سب سے کم مقدار کھاتی ہو۔ آپ اپنے کھانے کی مقدار اس سے کم رکھیں اور مردوں میں جو سب سے کم کھاتا ہو، میرے لئے اس سے بھی کم مقدار رکھا کریں۔ اس پر فقر و فاقے کی فضیلتیں اور کم کھانے کے فوائد بتلاتے تھے۔ اکابر کے دنیا سے بے رغبتی اور قلت طعام کے واقعات سنایا کرتے تھے۔ بحمداللہ میرا ایسا مزاج بن گیا تھا کہ بارہا میں نے اور حضرت نے ایک ہی روٹی پر گزارہ کیا، عمدہ کھانوں کی تو کبھی طلب نہیں فرمائی۔ قناعت اس درجہ تھی کہ شروع میں یومیہ مقدار کے مطابق سودا سلف لاتے تاکہ ضائع نہ ہو، کیونکہ جب ہر چیز زیادہ ہوتی ہے تو خواتین زیادہ مقدار میں بنالیتی ہیں جس سے بچ جانے اور ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ تکلف کی زندگی سے اتنا دور تھے کہ ایک بار جب آپ چھٹیاں گزار کر کراچی واپس جارہے تھے تو رات کو گھر میں کھانے کا کوئی خاص بندوبست نہ ہوسکا۔ آپ نے وہی معمولی چیز جو گھر میں پکی تھی کھالی۔ رات کو میں نے عرض کیا کہ لوگ دبئی جاتے ہیں تو ان کے لئے گھروں میں دنبے ذبح ہوتے ہیں، مجھے سخت کوفت ہوئی کہ آپ ایک لمبے عرصے کے بعد گھر آتے ہیں اور آپ کے لئے تھوڑا بھی اہتمام نہ ہوا۔ اس پر بہت سخت ناراض ہوئے کہ آپ کو یہ خیال کیسے پیدا ہوا اور آپ نے یہ بات کیسے کہہ دی؟ اور یہ ناراضگی اتنی شدید تھی کہ صبح میلے کپڑوں میں ہی کراچی تشریف لے گئے، کپڑے تبدیل کرنا بھی گوارا نہیں فرمائے۔

ایک موقع پر میں نے عرض کیا کہ حضرت! بحمداللہ میں تو ہر حال میں آپ کے ساتھ راضی ہوں اور ہر حالت کو اللہ کا انعام سمجھتی ہوں لیکن دل چاہتا ہے کہ ذرا بچوں کے لئے عمدہ لباس، عمدہ چیزیں

اور عمدہ کھانا پینا ہوا کرے۔ اس پر قدرے جلال میں آ کر فرمایا کہ تو بچوں کی عجیب ماں ہے! عمدہ لباس پہنا کر اور عمدہ چیزیں دلوا کر زبردستی انہیں ہلاکت کے گڑھے میں پھینکنا چاہتی ہے۔ آپ اس وقت اکڑوں بیٹھے ستون سے پشت لگائے ہوئے تھے۔ سامنے ایک چھوٹا سا پتھر پڑا تھا۔ جلال میں وہ ہاتھ میں اٹھایا اور اس پر نظریں گاڑھ دیں۔ میں دیکھ کر دہل گئی کہ اس کا رنگ بالکل زرد سونے جیسا ہو گیا، پھر اسی جلال میں مجھے مخاطب کر کے بولے کہ تیرا کوئی بھائی نہیں، ورنہ میں تجھے یہ پتھر دے کر کہتا کہ جا اپنے بھائی کو دے اور اسے کہہ کہ اسے دنیا میں لے کر پھرے کہ اس کی کیا قیمت ہے؟ پھر وہ پتھر دور پھینکتے ہوئے بولے: ''یہ دنیا کا سامان اور آسائش کچھ نہیں، میں روزانہ دو رکعت صلوٰۃ حاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں کہ مجھے اور میری اولاد کو دنیا کے فتنے سے محفوظ رکھنا۔'' آپ کے اس تصرف سے میری ایسی آنکھیں کھلیں کہ آئندہ کبھی اولاد کے لئے بھی عمدہ چیز کی خواہش پیدا نہ ہوئی۔

ایک موقعہ پر میں نے عرض کیا کہ مدرسہ کی مصروفیات بڑھ گئی ہیں، اگر آپ مدرسہ کے کام میں یکسوئی کے لئے معاشی ذمہ داریوں کا کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کر لیں۔ اپنے بھائیوں یا متعلقین میں کسی کے ساتھ کچھ رقم تجارت میں شامل کر لیں تو اس طرف سے بے فکر رہیں گے اور مستقبل میں اولاد کے لئے بھی معاش کا ایک حلال ذریعہ میسر ہوگا۔ اس پر فرمایا کہ اس کی فکر نہ کریں میں نے اپنے تو کیا پرایوں میں بھی محبت کے بیج بوئے ہیں۔ اپنی اولاد کے لئے کانٹے نہیں لگائے۔ اگر اس دیار کے لوگ نمک حرامی نہ کریں تو سو سال تک میری نسلیں ایسی عزت اُٹھائیں گی جیسی میں نے اس قوم کو دی ہے اور انہیں دینی خدمت کی راہ میں کبھی معاش کی فکر نہیں ستائے گی۔

بچوں کی تربیت کا ان کے بچپن ہی سے خاص خیال رکھا، گود کے بچے کے علاوہ مجھے بڑے بچوں کو میکے لے جانے سے منع کرتے تھے کہ اس طرح بچے وہاں کی رعایتوں سے بگڑ جاتے ہیں۔ بچوں کو کرکٹ، گلی ڈنڈا یا دیگر ایسے اجتماعی کھیلوں سے سختی سے منع کرتے تھے جن میں ایک دوسرے سے ضد، مقابلہ بازی، حسد، بغض، بدخوئی اور اوقات کے ضیاع اور دوسروں کی اذیت کا خدشہ ہوتا تھا۔ اسی طرح

بچے گالی گلوچ سیکھ لیتے اور بری عادتیں پیدا ہوجاتیں۔فرماتے: ان کھیلوں سے بچپن ہی میں بچوں کے اندر یہ رذائل جڑ پکڑ لیتے ہیں اور بعد میں ان کی زندگی برباد کردیتے ہیں۔گھر ہی میں بچوں کے لئے گاڑیوں وغیرہ کے کھلونے لے کردیتے تھے اور گھر کے اندر ہی ان کے لئے کھیل کا ماحول بناتے تھے۔

جب یوسف کی پیدائش ہوئی تو ان کی خواہش تھی کہ ان کا نام ''ادریس'' رکھیں لیکن خواب میں مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کی زیارت ہوئی اور انہوں نے تاکید کی کہ بچے کا نام ''یوسف'' رکھنا ہے۔حضرت فرماتے تھے کہ میں نے اپنے استاذ حضرت بنوری قدس سرہٗ کو کبھی نام لے کر یاد نہیں کیا، بڑی بے ادبی معلوم ہوتی ہے کہ اسے یوسف یوسف پکارتا ہوں، حضرت بنوریؒ بہت بڑے انسان تھے، مجھے خوف رہتا ہے کہ کہیں ان کے نام کی بے ادبی نہ ہوجائے۔ایک دفعہ مولانا حبیب اللہ مختارؒ کراچی سے تشریف لائے تو یوسف کے لئے موٹروں کا ایک بڑا ڈبہ لائے۔میں نے کھولا تو اس میں موٹر کے ۲۱ کھلونے تھے۔حضرت اس پر ہنس دیئے کہ مولانا کا خیال ہوگا کہ یوسف بھی کراچی کے صاحبزادوں کی طرح مخدوم ہوگا، میری تو کوشش ہے کہ اسے مخدومیت کی بو بھی نہ لگے، اسے خادم بنا کر چھوڑوں۔

بچوں کو روزانہ رات کھانے سے آدھا گھنٹہ قبل بٹھلاتے اور دسترخوان، ملاقات، مسجد اور پڑوس کے آداب وحقوق سکھلاتے۔پھر بچوں کا امتحان لیتے اور درست جواب پر نقدی انعام میں دیتے۔میں اس دوران کھانا لگا رہی ہوتی تھی۔کبھی مجھے کہتے کہ بچوں سے کھانا لگوائیں تاکہ یہ عملاً طریقہ سیکھیں۔خود ہاتھ دھلواتے، کھانے کی دعا پڑھواتے، دسترخوان پر کھانا لگانے اٹھانے کی تربیت سکھلاتے اور کھانے پینے کا مسنون طریقہ تلقین کرتے۔الحمدللہ بچپن ہی سے بچوں میں یہ عادتیں جڑ پکڑ گئی تھیں۔کھانے کے بعد نماز، دعاؤں اور کلمات سکھانے کی کلاس ہوتی۔تقریباً آدھا گھنٹہ بچوں کو یہ سکھلاتے۔گھر کے سارے بچے آپ کے اردگرد بیٹھ کر اس مجلس میں دلچسپی لیتے بلکہ اس کا انتظار کرتے۔اس مجلس میں نماز وغیرہ کی عملی مشق بھی بچوں سے کرواتے۔

بچیوں کی تعلیم کا اپنا نصاب تجویز فرمایا تھا۔ہماری بیٹیوں، حضرت کی بھتیجیوں اور بھانجیوں

سب نے حضرت سے یہ نصاب پڑھا۔ آپ روزانہ فجر کے ایک گھنٹہ بعد تک اس کی تعلیم دیتے۔ اس نصاب میں اولاً باتجوید ناظرہ قرآن، پھر تعلیم الاسلام، پھر بہشتی زیور کا پشتو ترجمہ، پھر اسلامی فقہ پشتو پھر معارف الحدیث کا پشتو ترجمہ اور آخر میں معارف القرآن کا پشتو ترجمہ پڑھایا۔ اس کے ساتھ قرآن مجید کا لفظی ترجمہ بھی بچیوں کو پڑھایا۔ میں نے ایک موقع پر بچیوں کو درس نظامی پڑھانے کی تجویز دی تو فرمایا: یہ اس کی مکلف نہیں ان کے لئے یہی کافی ہے۔

بچیوں کو بوقت رخصتی خاص تاکید کی کہ خاوند کے گھر میں کبھی کسی چیز کا طمع یا لالچ نہیں رکھنی، نہ ہی اپنے منہ سے کسی چیز کا مطالبہ کرنا ہے۔ جہیز میں سلائی مشین دی تاکہ اپنے ہاتھ سے کام کاج کر سکیں۔ اس کے علاوہ ضرورت کا مختصر سامان یعنی چند جوڑے کپڑے، تکیہ بستر اور کھانے پینے کے کچھ برتن خرید کر دیئے اور مروجہ تکلفات میں نہ خود پڑے نہ مجھے اجازت دی۔

حضرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھ بندی پر جو خاص احسانات فرمائے ان میں سے ایک طلبہ کرام مہمانان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا موقع ہے۔ ۱۹۸۰ء میں جامعہ یوسفیہ قائم ہوا تو اس وقت سے طلبہ کے لئے گھر کے کنویں سے میٹھا پانی بھرنا اور طلبہ کا سالن روٹی بنانا میرے ذمے تھا۔ کچھ عرصہ تک سالن روٹی دونوں کی خدمت میرے سپرد تھی۔ پھر جب طلبہ کرام کی تعداد بڑھ گئی تو حضرت نے روٹی پکانے کے لئے مدرسہ میں تندور لگوا کر باورچی رکھ لیا۔ لیکن سالن پکانے کی خدمت الحمدللہ آج تک بدستور نصیب ہے۔ ۳۷ سال ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ معذوری سے محفوظ رکھے۔ سردی گرمی بارش ہر موسم میں کبھی ناغہ نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور آئندہ بھی توفیق بخشے گو کہ اب مدرسہ میں طلبہ کی تعداد بہت بڑھ چکی ہے۔ موقوف علیہ تک اسباق ہیں، حفظ کی پانچ جماعتیں ہیں لیکن بحمداللہ کوئی مشکل اور تکلیف پیش نہیں آتی اور سارا کام اکثر خود ہی کر لیتی ہوں۔ سالن کے لئے حضرت لکڑیاں خود باہر سے لاتے، جب کہ برتن دھونے اور پکانے کی ذمہ داری میری تھی۔ اجتماعی اموال میں اس قدر احتیاط فرماتے تھے کہ مدرسہ اور گھر کے سامان کے لئے علیحدہ جگہیں مقرر تھیں تاکہ باہم اختلاط

نہ ہو۔فرماتے تھے کہ دنیا کے حرام سے جس قدر بچو گی، جہنم کی آگ سے اتنی دور ہو گی۔

خود بھی صابر و شاکر تھے، دوسروں کو بھی یہی تلقین کرتے تھے۔جب ہمارا دوسرا بیٹا محمود الحسن ڈھائی سال کی عمر میں فوت ہوا تو مجھے بڑی تسلی دی۔فرمایا کہ بچپن میں فوت ہونے والی اولاد قیامت میں والدین کے لیے اللہ میاں سے جھگڑا کرے گی، یہاں تک کہ وہ والدین کی شفاعت کرا لے گی۔لہٰذا محمود ہمارا شفیع بن کر آگے گیا ہے۔

حضرت کی ایک خوبی عمر بھر بڑی پسند آئی کہ کبھی کھانے میں کوئی عیب نہیں نکالا، نہ ہی کسی خاص چیز کی خواہش اور تمنا کی جو کچھ میسر ہوا، شکر کر کے عاجزانہ کھا لیتے۔گھر میں مرغیاں پال رکھی تھیں۔کچھ نہ ہوتا تو انڈوں کا آملیٹ بنا لیتی وہی خود بھی رغبت سے کھاتے اور حاضرین کو بھی کھلاتے۔ فرماتے کہ انڈوں سے سخت کوفت ہوتی ہے اور طبیعت پر راس نہیں آتے مگر حضرت الشیخ علامہ بنوریؒ بہت شوق سے تناول فرماتے تو میں بھی حضرت کے وجہ سے نہایت رغبت و محبت سے کھا لیتا ہوں۔

حضرت کی قوت بینائی، شنوائی اور شامہ عام انسانوں سے بہت قوی تھیں، قوت ادراک و امتیاز بھی عجیب تھی، فرماتے کہ جب میں گھر سے تین کلومیٹر دور وَچ بازار پہنچتا ہوں تو گھر کے جانوروں کی آوازیں سنتا بھی ہوں اور پہچان بھی لیتا ہوں کہ یہ کس بکری اور گائے کی آواز ہے۔ایک دفعہ گھر میں داخل ہوئے تو فرمایا کہ سانپ کی بو آرہی ہے۔میں عرض کیا کہ بھلا سانپ کی بھی کوئی بو ہوتی ہے؟ فرمایا: تیری ناک بند ہے تجھے کیا پتہ چلے۔پھر تلاش کیا تو واقعتاً سانپ برآمد ہوا۔

حضرت کی کس کس ادا کو یاد کیا جائے، آپ ہر حوالے سے قابل رشک تھے، جب ہمارے وطن کے حالات خراب ہوئے تو سخت پریشان رہتے تھے، شہادت سے قبل کچھ ایسی کیفیات تھیں اور ایسی باتیں ارشاد فرماتے تھے کہ میرا دل گھبرا جاتا، وساوس گھیر لیتے کہ حضرت یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ان باتوں میں اس طرف اشارہ ہوتا کہ گویا آپ کا وقت پورا ہو چکا ہے اور کوچ کی تیاری ہے۔

جس دن حملہ ہوا تو پہلا بم مدرسہ کے پیچھے کتب خانہ کی عمارت کی پچھلی دیوار کے ساتھ گرا

جس سے کتب خانہ کی چھت گرگئی۔ اس پر طلبہ واساتذہ نے مدرسہ خالی کرلیا، آپ اس وقت گھر میں تھے، اساتذہ کی چائے کا وقفہ تھا، اس دوران جب اساتذہ کی چائے مدرسہ چلی جاتی تو گھروں کے بچے بھی مدرسہ چلے جاتے عموماً برتن لانے تو اساتذہ کھانے پینے کی کوئی چیزیں دے دیتے۔ اس دوران میں مفتی عظمت اللہ صاحب (رئیس دارالافتاء جامعہ یوسفیہ) کی سات سالہ بچی حدیقہ بھی باہر نکلی تھی، وہ پہلے بم کا نشانہ بن کر شہید ہوگئی۔ حضرت پہلے حملے کے بعد تیزی سے اٹھے اور مدرسہ کی طرف نکلنے لگے، میں نے آگے بڑھ کر دامن پکڑا اور راستہ روک لیا کہ آپ ہرگز نہیں نکلیں گے۔ فرمایا کہ راستہ سے ہٹ جائیں، اب آخری وقت ہے۔ میں مزید اصرار کرنے لگی تو حضرت نے جلالی انداز میں فرمایا کہ اب تک اچھی زندگی گزری ہے، آخری وقت ہے، آپ آخر میں کیوں ناراض کرتی ہو۔ میرے ساتھ آخری گفتگو اس بات پر ختم کی کہ طلبا شہید ہوں گے اور میں زندہ رہوں گا؟ اساتذہ وطلبا اکیلے ہیں مجھے جانے دیں۔ جاتے وقت فرمایا کہ سورت یٰسین کی تلاوت شروع کرو، خود بھی یٰسین کی تلاوت میں مصروف تھے۔ طلبہ سے تو آپ کی محبت مثالی تھی، آپ کو کہاں چین آرہا تھا۔ ہم نے بہت روکنے کی کوشش کی لیکن آپ گھر کے دروازے سے نکل کر متصل مدرسہ میں داخل ہوگئے۔

میں دیوانہ وار پیچھے بڑھی۔ طلبہ واساتذہ تو مدرسہ کب کا خالی کرچکے تھے۔ وہ مدرسہ سے باہر جنگل اور کھیتوں میں بکھر گئے تھے، اسی اثنا میں عزیزم مولوی طاہر کا چھوٹا بیٹا عبدالرحمٰن جس کی عمر گیارہ بارہ سال تھی، بھاگتا ہوا گھر سے نکل کر حضرت کے پیچھے مدرسہ میں داخل ہوگیا۔ حضرت بڑی بے چینی سے مدرسہ میں ارد گرد نگاہ ڈال رہے تھے کہ مسجد اور دفتر کی درمیانی گلی میں اچانک دوسرا بم آگرا۔ میں نے اپنے سر کے تاج کو خود گرتے اور ٹوٹتے دیکھا۔ عبدالرحمٰن بھی گر گئے۔ میں آگے بڑھی تو گرد وغبار کے بادلوں میں آنکھوں سے سب کچھ اوجھل ہوگیا، کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ گھر کے افراد تیزی سے دوڑتے اندر آئے، میرے ہوش وحواس معطل تھے، مجھے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اس ملبے میں حضرت کہاں ہوں گے۔ حضرت کے آخری کلام اور انداز سے مجھے علم ہوگیا تھا کہ اب حضرت اس دنیا سے کوچ کرنے

والے ہیں۔ میں اس نتیجہ تک پہنچ گئی کہ کئی دنوں سے جو فرماتے تھے کہ بس میں جانے والا ہوں، سو اب وہ وقت پہنچ آیا جس کے وہ منتظر تھے۔ دور سے دیکھتی رہی کہ مدرسہ میں آہ و بکاہ کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ ماتم کا ماحول بن گیا، حضرت کی لاش ملبے سے نکالی گئی، اب میری آنکھیں ترس رہی تھیں کہ میں حضرت کی لاش کا کب دیدار کروں گی، کیونکہ ظالموں کے اڑتے طیاروں میں آپ کے زخموں سے چور چور جسم کو گھر تک لانے کے حالات نہیں تھے۔ میں دیکھتی رہی کہ عزیز طلبا حضرت کی لاش جنگل کی طرف لے گئے ہیں، کبھی ایک درخت کے نیچے رکھتے، کبھی دوسرے درخت کے نیچے۔ بالآخر مدرسے کے پڑوس میں حاجی ربیب صاحب کے گھر لے گئے۔ پھر بھی جیٹ طیاروں کی پروازیں جاری تھیں، جس کی وجہ سے حضرت کی لاش دوسری جگہ منتقل کرنے کے لئے گاڑی میں لے گئے، طیارے واپس لوٹے تو دو گھنٹوں کے بعد حضرت کی لاش واپس لائی گئی اور اپنے گھر کے بجائے حضرت کے بڑے بھائی حاجی مسلم الدین صاحب کے گھر میں رکھی گئی۔

کیا دیکھتی ہوں کہ حضرت کی لاش پر کوئی ظاہری زخم نظر نہیں آرہا تھا، صرف سر مبارک سے بارش کے قطروں کی طرح خون ٹپک رہا تھا۔ اس سے پہلے میں نے اس سر کو کبھی رب کے حضور سجدوں میں، کبھی اللہ اللہ کی ضربیں لگانے میں اور کبھی اس قوم وملت کی کامیابی کی فکر میں ڈوبا دیکھا تھا۔ مجھے کیا پتا جن کے لئے بے چین ہیں وہی آپ کو ہم سے چھین لیں گے۔ عجیب بات تھی کہ باقی پورا جسم صحیح وسالم تھا۔ نہ بدن پر داغ، نہ زخم کا نشان تھا۔ عجیب قیامت تھی جو ٹوٹ پڑی۔ انسان بھی کیا چیز ہے! کیسے کیسے غموں کے پہاڑ سہ لیتا ہے۔ یہ غم کا طوفان تھا جو موجیں مار مار کر قلب وذہن کی دنیا میں طلاطم برپا کر رہا تھا۔ اپنے حواس واپس آتے آتے عرصہ بیتا۔ میری ساری کائنات حضرت کی ذات تھی، یوں لگا جیسے زندگی کی ہر عیش وآرام رخصت ہوگئی، زندگی پھیکی پڑ گئی۔ حضرت کی برکات وعنایات اور ان کی شفقتوں ومحبتوں کی یاد دن رات ستاتی ہے۔ میرے دامن میں اللہ تعالیٰ کے اس مقبول بندے کی رفاقت کے سوا اور کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دین ودنیا کی جو سعادتیں نصیب فرمائی ہیں وہ سب حضرت (باقی صفحہ نمبر ۱۲ پر)

امام ابوحنیفہؒ کا تزکیہ وتربیت کا سلسلہ

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

جوعلوم قرآن وحدیث میں بیان ہوئے وہ محض نظریات(Theoretical Discussions) یا فلاسفروں کے افکار نہیں ہیں بلکہ انسان کی زندگی کے متعلق اہم ذہنی، قلبی وعملی تربیتی ہدایات ہیں۔ چنانچہ ایک تو ان علوم کے الفاظ اور معانی کو سیکھنا ہے اور ایک ان کی روشنی میں ذہنی، قلبی اور عملی تربیت سے گزر کر ان کو اپنی ذات میں حاصل کرنا ہے۔ یہ دوسرا پہلو ان حضرات کیلئے بھی جو ان علوم کے عالم نہ ہوں یقیناً ضروری ہے جبکہ وہ حضرات جو ان علوم کے ماہر ہیں ان کیلئے غیر عالم لوگوں کے مقابلے میں اشد ضروری ہے۔ ایک آئل ٹینکر کے اوپر ٹینکی میں ہزاروں لیٹر پٹرول بھرا ہوتا ہے لیکن یہ پٹرول اس کے چلانے کیلئے ایک تنکے کے برابر بھی مفید نہیں ہے۔ اس ٹینکر کو بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ اوپر کی ٹینکی کے ہزاروں لیٹر تیل کی بجائے چند لیٹر تیل اس کے انجن میں ہونا چاہئے۔ انجن کے اندر والا تیل اس کے اپنے چلنے کے لئے مفید ہے۔ جبکہ اوپر کی ٹینکی والا تیل دوسروں کے لئے مفید ہے۔ ہمارے اکابرین جس طرح قرآن وحدیث کے علوم کے پہاڑ اور سمندر تھے ایسے ہی تزکیہ وتصوف کی اصلاحی ترتیب کی پابندیوں اور مشکلات سے گزر کر اپنی ذہنی، قلبی وعملی تربیت بھی کرائے ہوئے تھے۔ چنانچہ فقہ کے چار بڑے امام باوجود اتنے اونچے علمی مقام پر فائز ہونے کے تزکیہ کی عملی ترتیب سے گزرنے کی وجہ سے باطنی اور روحانی لحاظ سے اس ظاہری درجے سے بڑھ کر اونچے مقامات پر تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مندرجہ ذیل حضرات سے روحانی لحاظ سے کامل ہونے کی سند حاصل تھی۔

۱۔ صحابی رسول حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔

۲۔ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ (یہ خلیفہ ہیں امام قاسم بن محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہم کے اور قاسم بن محمدؒ خلیفہ ہیں سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے اور وہ خلیفہ ہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کے)

۳۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تیسری خلافت حضرت عاصم بن عبدالصمد رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔

ڈیمانڈ اور سپلائی

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

چند مہینے پہلے بندہ اپنی تحریر ''سوچ وفکر'' کا مسودہ لے کر صوبہ سرحد کے مشہور دانشور سابق چیف سیکرٹری صوبہ سرحد وسابق چیئرمین پبلک سروس کمیشن جناب عبداللہ صاحب کے پاس گیا۔ ساتھ کچھ مرید ودیگر حضرات بھی تھے۔ موصوف بہت تپاک سے ملے، بہت خوش ہوئے، کتاب کا مسوّدہ لیا اور جلد اپنی رائے ظاہر کرنے کی خوشخبری دی۔ پھر مختلف باتیں شروع ہوئیں۔ انھوں نے کہا: ''ڈاکٹر صاحب! ڈیمانڈ ٹھیک ٹھاک ہے سپلائی درست نہیں۔'' سب ساتھی چوکنا ہوگئے کہ کس چیز کی ڈیمانڈ اور کون سی سپلائی۔

وہ خود ہی بولے کہ عوام دین کی بات سننا اور لینا چاہتے ہیں لیکن اس معیار کی بات جو ہر طبقے کے ذہن کو متاثر (Appeal) کرے ناپید ہے۔ واقعی بات بڑے پتے کی تھی۔ بندہ نے ساتھیوں کو سنایا کہ ایک دفعہ میری تشکیل رائیونڈ والوں نے ایف سی کالج لاہور کر دی۔ وہاں جمعہ کی نماز میں پہنچے۔ ایک صاحب جمعہ کی تقریر کر رہے تھے۔ پتہ چلا کہ جامعہ اشرفیہ کے نائب مفتی ہیں۔ وہ جو اُوٹ پٹانگ بولے اور جس طرح بیان میں چیخے تو اس سے اندازہ ہوا کہ سننے والے طلبہ کی دین سے محبت کی بجائے نفرت ہی پیدا ہوئی۔ بندہ ایف سی کالج کی عیسائی مشنری انتظامیہ کو داد دئے بغیر نہ رہ سکا کہ انھوں نے ایسے آدمی کو منتخب کیا جو بچوں میں اسلام کی محبت کی بجائے نفرت پیدا کرے۔ حیرت سے پوچھا کہ جامعہ اشرفیہ تو بہت ذمہ دار اور عظیم ادارہ ہے۔ اس کے نائب مفتی کے یہ حالات!... تحقیق پر پتہ چلا کہ نئے فارغ ہونے والے علما جب فتویٰ کے کورس کے لئے آتے ہیں تو انہیں نائب مفتی کہا جاتا ہے۔ خیر تسلی ہوئی کہ اناڑی آدمی سے یہی توقع ہوسکتی ہے۔

ایک دفعہ ایک شادی کے سلسلے میں ہم سفر پر تھے۔ گاؤں کے قریب ہی ایک مسجد میں جمعہ

پڑھنے کے لئے رکے۔ جو صاحب نماز پڑھا رہے تھے وہ ایک بڑے نامی گرامی مدرسے کے فارغ التحصیل عالم تھے اور ساتھ فتویٰ کا کورس بھی کئے ہوئے تھے۔ جو اُوٹ پٹانگ تقریر انھوں نے کی حیرت ہی ہوئی۔ بزرگوں کی مثال یاد آئی کہ فارغ التحصیل ہونا ایسے ہے جیسے آدمی نے ٹماٹر، پیاز، سبزی، گوشت، گھی، مصالحے، سب خرید کر جمع کر لئے لیکن سب چیزوں کے سالن بننے میں ایک اور اچھی خاصی محنت کی ضرورت ہے، جس کے بغیر یہ چیزیں نہ کھائی جاسکتی ہیں نہ ہضم ہوسکتی ہیں۔ بیعت، تزکیہ اور اصلاح کی ترتیب سے گزرنا بس سالن والی محنت ہے۔

پشاور یونیورسٹی میں تبلیغ کا کام شروع کرنے کے راستے میں بہت مشکلات تھیں۔ کئی بار لوگ گشت اور بیان کے لئے آئے۔ انتظامیہ نے طلبا سے تمسخر (Hooting) کروا کر ان کو بھگا دیا۔ جب پشاور میں تبلیغی مرکز نے باقاعدہ کام شروع کیا تو ہمارے شیخ حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے امیر مقرر ہوئے۔ حسن اتفاق حضرتؒ اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی میں عربی کے لیکچرر مقرر ہوگئے۔ انہی دنوں حضرتؒ نے ایک طویل تبلیغی سفر کیا جو فلسطین، اردن، ترکی، یوگوسلاویہ، آسٹریا اور جرمنی میں ہوا۔ واپسی پر حضرتؒ نے پرنسپل اسلامیہ کالج سے مل کر اس سے کہا کہ میں نے مشرق وسطیٰ اور یورپ کا ایک بڑا طویل سفر کیا ہے جس کی کارگزاری بہت دلچسپ ہے اور طلبا کے لئے بھی عالمی حالات سمجھنے کے سلسلے میں بہت مفید ہے۔ آپ اگر مناسب سمجھیں تو میں ہر ہاسٹل میں مغرب عشا کے درمیان ایک لیکچر دے کر طلبا کو ان معلومات سے آگاہ کروں۔ پرنسپل بہت خوش ہوا۔ یہ ترتیب شروع ہوگئی۔

یہ سن انیس سو پچپن، چھپن عیسوی کا واقعہ ہے۔ اس لیکچر کے بعد آپ طلبا کو اطلاع دیتے کہ میرے گھر پر ہر روز عصر کے بعد مجلس ہوا کرے گی، اس میں بھی آپ تشریف لائیں۔ جب کچھ طلبا آنے جانے لگے تو یونیورسٹی سے باہر محکمہ زراعت کی ایک گنبد والی عمارت ہے، پشاور یونیورسٹی جب بنی تھی تو یہی عمارت پشاور یونیورسٹی تھی، اس کی مسجد میں تبلیغی گشت اور بیان شروع کیا۔ کچھ عرصہ میں

حالات اتنے موافق ہوگئے کہ پشاور یونیورسٹی کے اندر بغیر تکلیف کے کام شروع ہوگیا اور طلبا کے علاوہ اساتذہ بھی جانے لگے۔اس طرح یہ یونیورسٹی عالمی سطح پر تبلیغی تحریک کا ایک مرکز بن گئی۔

ڈیمانڈ اور سپلائی کے سلسلے میں ہی ایک بات اور یاد آئی۔ ہمارے ایک بزرگ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب تھے جنھوں نے پچاس، ساٹھ سال تک فرانس میں ایک اسلامک سینٹر چلایا، فرانسیسی میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور کئی آدمیوں کو مسلمان کیا۔انھوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ پاکستانی سفیر کی بیوی دینی سلسلے میں ملنے کے لئے آگئی۔اس نے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب یہ اسلام میں پردے کی پابندی کیوں ہے۔ڈاکٹر صاحب نے جواباً فرمایا کہ آپ کے بدن کی وہ جلد جو کپڑے سے ڈھکی ہوتی ہے اس کا بدن کی باقی جلد سے کچھ فرق ہوتا ہے؟ اس نے کہا ہاں وہ جلد زیادہ ملائم اور روشن ہوتی ہے۔ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ بس ایسے ہی اسلام آپ کے چہرے کا نکھار باقی رکھنا چاہتا ہے۔وہ بہت مطمئن ہوگئی اور اس نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔

واقعی دین کی بات تو حکمت اور موعظتِ حسنہ ہے۔جب صحیح طریقے سے کی جائے تو اگلا ضرور قبول کرتا ہے۔ جب صحیح طریقے سے نہیں ہوتی تو اگلے کو فائدہ نہیں ہوتا اور سوالات اور اعتراضات پیدا ہوتے ہیں۔تصوف کے سلاسل میں جو مجاہدات ہم کراتے ہیں اس میں جہاں اور باتوں کی اصلاح ہوتی ہے وہاں آدمی کو بات کرنے کا طریقہ وسلیقہ بھی آجاتا ہے۔پھر اس کی بات خیر پھیلنے کا ذریعہ بنتی ہے اور شر پھیلنے سے حفاظت ہوجاتی ہے۔

اطلاع

اس دفعہ کا اجتماع اس وجہ سے منعقد نہ کیا جاسکا کہ بندہ کو دو بزرگوں کی وفات کے سلسلہ میں سفر درپیش ہوگئے۔ایک وفات جناب حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی، جن کا تعزیتی جلسہ ۲۷ نومبر کو لکی مروت میں ہوگا۔دوسری وفات جناب حضرت مولانا اختیار الملک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی، جن کا تعزیتی جلسہ ۴ دسمبر کو بٹگرام ہزارہ میں ہوگا۔

درود شریف کی برکات

(اختر حسین صاحب، پی ایچ ڈی سکالر، جرمنی)

یہ واقعہ میں نے پچھلے ہفتے مسجد میں زاہد صاحب سے سنا جو کہ پاکستانی ہیں اور بیس سال سے جرمنی میں مقیم ہیں۔ انھوں نے اپنے دفتر میں کام کرنے والے ایک ساتھی کے حوالے سے بتایا کہ ایک تُرک مسلمان یہاں جرمنی سے عمرہ کی ادائیگی کے لئے جا رہا تھا۔ اس کے جو دوست احباب حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں درود و سلام بھیجنا چاہتے تھے ان کے نام وہ ایک کاغذ پر لکھ رہا تھا۔

ایک اور جرمن جو اسی دفتر میں کام کرتا تھا وہ یہ سب دیکھ رہا تھا، اس نے پوچھا کہ آپ ان سب دوستوں کے نام کاغذ پر کیوں لکھ رہے ہیں۔ اسے بتایا گیا کہ یہ لوگ ہمارے نبی ﷺ پر درود و سلام بھیجنا چاہتے ہی اس لئے ان کے نام اپنے پاس لکھ رہا ہوں۔ اس جرمن نے مطالبہ کیا کہ اس کا نام بھی اس فہرست میں شامل کر لیا جائے۔ اس تُرک ساتھی نے اس کا نام بھی لکھ گیا اور اگلے روز عمرہ کے لئے روانہ ہو گیا۔

عمرہ سے واپسی پر اس تُرک نے دیکھا کہ یہ جرمن شخص بدلا ہوا ہے اور اس نے اپنے چہرے پر ڈاڑھی بھی سجالی ہے۔ تُرک نے جرمن سے اس تبدیلی کے بارے میں دریافت کیا۔ جرمن نے بتایا کہ آپ کی عمرہ کے سفر پر روانگی کے بعد اس نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی اور حضور ﷺ نے اس سے جرمن سے فرمایا:

''آپ نے مجھے سلام تو بھیجا ہے لیکن آپ کی زندگی نہیں بدلی۔''

کہتا ہے کہ وہ جاگ گیا اور اگلے ہی دن اس نے فیصلہ کر لیا کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ کہتا ہے کہ اس طرح سے نے یہ ڈاڑھی رکھی ہے۔

☆☆☆☆☆

تبصرۂ کتب

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

جناب پروفیسر حافظ بشیر حسین حامد کی طرف سے دو کتابیں تبصرہ کے لئے ملنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ کتابیں ان کے استاد اور شیخِ طریقت جناب حضرت مولانا حافظ قاری ڈاکٹر فیوض الرحمان صاحب ریٹائرڈ بریگیڈئر کے بارے میں ہیں۔ بندہ کو جناب حضرت قاری صاحب کی زیارت سن انیس سو پینسٹھ عیسوی میں اسلامیہ کالج کی جامع مسجد میں نصیب ہوئی جبکہ وہ ایم۔اے عربی میں داخلے کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ بندہ اس وقت اسلامیہ کالج میں ایف ایس سی سیکنڈ ایئر کا طالب علم تھا۔ اس وقت وہ شاید تبلیغی جماعت والوں کے ساتھ تھے۔ ان کی چاک و چوبند اور فعال شخصیت سے بندہ بہت متاثر ہوا۔

واقعی نابغۂ روزگار (Genious) شخصیات بہت کم پیدا ہوتی ہیں۔ اگر پیدا ہوں تو کم کو ایسے مواقع ملتے ہیں کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا کر کمالات حاصل کریں۔ قاری فیوض الرحمان صاحب بلاشبہ نابغۂ روزگار شخصیت ہیں جنھیں اللہ نے ایسے مواقع عنایت فرمائے کہ انھوں نے اپنی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عظیم علمی و عملی کمالات حاصل کئے۔ سکول اور کالج کی تعلیم کو آپ نے اس شعبہ کے آخری مرحلہ پی ایچ ڈی تک حاصل کیا جس میں اکثر امتحانات درجہ اول (First Division) میں پاس کئے۔

کالج یونیورسٹی کی تعلیم کے دوران تقریری مقابلوں میں پہلا درجہ (First Position) حاصل کر کے انعامات اور شیلڈیں لیتے رہے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور بار ہا سنایا۔ اپنے دور کے اعلیٰ معیار کے اساتذہ سے تجوید پڑھی۔ آپ کا تجوید کا سلسلہ اکتیس رابطوں سے حضور ﷺ سے جا کر ملتا ہے۔ قرأت و تجوید کے کئی مقابلوں میں حصہ لیا اور درجہ اول (First Position) حاصل کر کے انعامات اور

شیلڈیں لیں۔

سن انیس سو اٹھاسٹھ عیسوی میں مغربی پاکستان کے پبلک سروس کمیشن کے امتحان میں سولہ سو امیدواروں میں پہلی پوزیشن حاصل کی اور لیکچرر مقرر ہوئے۔ لیکچرر شپ سے آرمی ایجوکیشن کور میں میجر منتخب ہوئے اور ہزاروں کیڈٹوں کی تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنے۔ آرمی کی طرف سے سعودی عرب میں ملازمت کا موقع ملا۔ وہاں سن انیس سو اناسی عیسوی میں ایک عالمی مقابلہ حفظ، قرأت و تفسیر میں حصہ لیا اور ننانوے فیصد نمبر لے کر درجہ اول (First Position) حاصل کی۔

تصوف کے سلسلے میں مشاہیر صوفیائے عظام حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ ہزاروی اور مفتی بشیر احمد پسروریؒ سے اکتسابِ فیض کیا اور چاروں سلسلوں میں خلافت حاصل کی۔ ایک دفعہ بندہ کی موجودگی میں بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ سے ملنے کے لئے آئے۔ ان سے معانقہ کیا، پیچھے بیٹھے ہوئے فقراء میں سے ایک نے باقاعدہ محسوس کیا کہ اس مہمان کا دل رقت سے معمور تھا۔ کئی معیاری کتابوں کے مصنف ہیں۔ یہ چند ایک اقتباسات تھے جو آپ کی سوانح سے بندہ نے لئے۔ پوری کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اہل علم اور اہل ذوق کتاب کو پڑھ کر خود محسوس کریں گے کہ کتاب کشش اور خوشبو سے لبریز ہے۔

جناب قاری صاحب بندہ پر بھی شفقت فرماتے رہتے ہیں۔ جب ان کی فوج سے ریٹائرمنٹ ہوگئی تو بڑی ہی چاہت اور حسرت تھی کہ ان کی اپنے صوبے اور اپنے شہر کو واپسی ہوتا کہ ان کی شخصیت اور برکات سے یہ شہر مالا مال ہو۔ افسوس کہ ان کی واپسی نہ ہوسکی اور کراچی میں ہی ٹھہر گئے۔ اسی کتاب سے پتا چلا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں کراچی کے کئی علمی اور روحانی اداروں کی رہنمائی اور سربراہی کی توفیق عطا فرمائی ہوئی ہے۔ اس سے دل بہت زیادہ خوش ہوا۔ واقعی کراچی شہر ہی ایسے حضرات کی قدردانی کرتا ہے اور ان کے فیوض و برکات سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

(آخری قسط)

سلام اور اس کے احکام

(قاضی فضل واحد صاحب)

وہ مواقع جن میں سلام ممنوع ہے

۱۔ خطبہ، نماز، تلاوت، حمام اور رفع حاجت کے وقت سلام کا جواب نہیں۔ (دائرۃ المعارف الاسلامیہ)

۲۔ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اگر رات کے وقت گھر میں تشریف لاتے تو اس طرح سلام فرماتے کہ سونے والے کی نیند نہ اُچٹے اور جاگتا ہوا سن لے۔ (الادب المفرد)

۳۔ سلام کا جواب دینا واجب ہے پر اس سے چند حالات مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً جو شخص نماز پڑھ رہا ہو۔ اگر کوئی اس کو سلام کرے تو جواب دینا واجب نہیں بلکہ مفسدِ نماز ہے۔ اسی طرح جو شخص خطبہ دے رہا ہو یا قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو، یا اذان و اقامت کہہ رہا ہو، یا دینی کتابوں کا درس دے رہا ہو یا انسانی ضروریات استنجا وغیرہ میں مشغول ہو اس کو اس حالت میں سلام کرنا بھی جائز نہیں۔ اور اس کے ذمے جواب دینا بھی واجب نہیں۔ (معارف القرآن)

۴۔ کافروں کے لئے السلام علیکم کے الفاظ نہیں استعمال کرنے چاہئیں۔ اگر استاد کافر ہو تو اس کو صرف سلام کہنا چاہئے۔ (بہشتی زیور)

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ (الزخرف: ۸۹)

ترجمہ: سو تو منہ پھیر لے ان کی طرف سے اور کہہ سلام ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ سے یہ مقصد نہیں ہے کہ انھیں السلام علیکم کہا جائے کیونکہ کسی غیر مسلم کو ان الفاظ سے سلام کرنا جائز نہیں بلکہ یہ ایک محاورہ ہے۔ (معارف القرآن)

۵۔ اگر کوئی غیر مسلم اہل کتاب سلام کرے تو اس کے جواب میں اسی کے الفاظ دہرا دئے جائیں۔ چنانچہ یہودِ مدینہ کے سلام کا جواب دینے کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو یہ حکم دیا

تھا کہ ان کے جواب میں صرف وعلیک کے لفظ پر اکتفا کیا جائے۔(مواہب الرحمان)

وہ مواقع جن میں سلام مکروہ ہے

حسب ذیل امور وحالات میں مشغول شخص کو سلام کرنا مکروہ ہے اور کوئی شخص ایسی حالت میں اس کو سلام کرے تو ایسے شخص پر اس کا جواب دینا واجب نہیں۔

۱۔ حالت نماز میں ۲۔ حالت ذکر میں ۳۔ حالت خطبہ میں

۴۔ حالت درس وتدریس میں ۵۔ حالت تلاوت میں ۶۔ حالت اذان میں

۷۔ حالت اقامت میں ۸۔ حالت دعا میں ۹۔ حالت تسبیح میں

۱۰۔ حالت وعظ میں ۱۱۔ برہنہ شخص کو ۱۲۔ اجنبی عورت کو

۱۳۔ مسائل شرعیہ کے مذاکرہ وتحقیق میں ۱۴۔ فیصلے کے دوران (قاضی کو)

۱۵۔ شوہر جب بیوی سے راز ونیاز کی باتیں کررہا ہو ۱۶۔ تلبیہ کی حالت میں

۱۷۔ قضائے حاجت کے دوران حمام میں ۱۸۔ حالت امامت میں

۱۹۔ مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنے والوں کو ۲۰۔ کسی کو کھانے پینے کے دوران

نیز درج ذیل لوگوں کو بھی سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر یہ لوگ کسی کو سلام کریں تو ان کو سلام کرنا واجب نہیں:

۱۔ علی الاعلان فسق وفجور میں مبتلا شخص ۲۔ بھیک مانگنے والا ۳۔ غیبت کا عادی

۴۔ شطرنج اور جوا کھیلنے والا ۵۔ سونے والا ۶۔ گانا بجانے والا

۷۔ کبوتر باز ۸۔ پاگل ۹۔ اونگھنے والا

۱۰۔ بات بات پر جھوٹ بولنے والا ۱۱۔ گالی بکنے والا ۱۲۔ شرابی

۱۳۔ زندیق ۱۴۔ کافر

(از ردالمحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۴۱۴ تا ۴۱۵۔ شامی)

اسلامی سلام تمام دوسری اقوام کے سلام سے بہتر ہے

دنیا کی ہر مہذب قوم میں اس کا رواج ہے کہ جب آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو آپس کی موانست اور اظہار محبت کیلئے کچھ کہتے ہیں۔

قبل از اسلام عرب کی عادت تھی کہ جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو "حیّاک اللّٰہ" یا "انعم اللّٰہ بک عیناً" یا "انعم صباحاً" وغیرہ الفاظ سے سلام کہا کرتے تھے۔

(معارف القرآن۔النسا:۸۶)

اسلام نے اس طرزِ تحیہ کو بدل کر السلام علیکم کہنے کا طریقہ جاری کیا۔ دوسرے مذاہب میں سلام یعنی جس فعل کو سلام کہا جاتا ہے بمعنی دعائے خیر نہیں بلکہ طبقاتی نظام کا حصہ ہے، جس طرح ہندوؤں میں ڈنڈوت کرنا (یعنی جھکنا) یا برہمنوں میں ''جے رام چندر جی'' کہنا۔ ان سب کے معنی اور مفہوم صرف اطاعت کا اظہار یا اپنی کمتری کا اقرار ہے۔ ان میں دعائے خیر کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔ نمستے، بندگی، آداب عرض، وغیرہ سب غیر دعائیہ کلمے ہیں۔

ڈنڈوت دوسرے کو اپنے سے بلند اور خود کو پست ظاہر کرنا ہے۔ ''پالاگن''، جس کا اصل لفظ ''پاؤں لاگن'' یا ''پائے لاگن'' ہے، کے معنی ہیں ''میں آپ کے پیر چھوتا ہوں''۔

(سلسلۂ مطبوعات نمبر ۲۸ صدیقی ٹرسٹ)

جب کوئی انگریز اپنے بڑے کو سلام کرتا ہے تو ''گڈ مارننگ سر'' کہتا ہے۔ جواب میں صرف ''گڈ مارننگ'' کہا جاتا ہے۔ گویا ''سر'' کہنا غریب کا فرض اور مالدار کا حق ہے۔

اس کے برخلاف مسلمانوں میں غریب، مالدار اور چھوٹے، بڑے کی پابندی کے بغیر ''السلام علیکم'' کہا جاتا ہے۔ جس کے جواب میں ''وعلیکم السلام'' کہنا واجب اور ''ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' کے الفاظ شامل کردئے جائیں تو زیادہ پسندیدہ ہے۔

.....(ختم شد).....

رحمان باباؒ کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

اس سے پہلے پشتو ادب کی تاریخ میں پہلی دفعہ پروفیسر طٰہٰ خان نے رحمان بابا رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ کیا۔ پروفیسر طٰہٰ خان صاحب ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ بہت بڑی سعادت حاصل کر گئے۔ ہر کسی کا اس اجر و ثواب کو لوٹنے کا شوق ہوتا ہے۔ بندہ کے دل میں ترجمے کا جذبہ پیدا ہوا۔ نسلاً اعوان ہونے کے ناطے میری مادری زبان پشتو نہیں ہے لیکن بچپن مانسہرہ ضلع کے ایسے گاؤں میں گزرا جہاں پشتو بولی جاتی تھی اور گزشتہ باون سال سے پشاور کے قیام کی وجہ سے پشتو کے ماحول میں رہ کر ایک حد تک پشتو بولنا سیکھا ہے۔ سنہ انیس سو اٹھاون عیسوی میں صوبائی حکومت نے پشتو بھی نصاب میں شامل کر لی تھی۔ بندہ کے چوتھی جماعت کے استاد جناب پیر عبدالحیٔ صاحب نقشبندیؒ جو سلسلۂ تصوف کے کامل بزرگ تھے انھوں نے کلاس میں کہا: ''میں اگر پشتو لکھنا پڑھنا آپ کو نہ سکھاؤں تو میری روزی حلال نہیں ہوتی۔'' چنانچہ انھوں نے پشتو لکھنا پڑھنا ہمیں سکھا دیا۔ رحمان باباؒ کے کلام کو پڑھنے میں اس کا بڑا فائدہ ہوا۔ توکل کرتے ہوئے ترجمہ شروع کر دیا ہے۔ تقابل کے لئے پروفیسر طٰہٰ خان صاحب کا ترجمہ بھی چند نظموں کے ساتھ لکھیں گے۔ اہلِ علم اس پر نگاہ رکھیں اصلاح اور مفید مشوروں سے نوازیں۔

چی وصال د خپل جانان می دے مند لے
گنج د دُرو د مرجان می دے مند لے

وصالِ یار کو ہم نے بصد ارمان پایا ہے
خوشا قسمت کہ گنجِ گوہر و مرجان پایا ہے (طٰہٰ خان صاحب)

وصال دوست کا جب سے کہ میں نے پایا ہے
خزانہ لؤلؤ و مرجان میں نے پایا ہے (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

.....

هومره طمع می له خپله بخته نه وه
نه پوهیگم چه سه شان می دے مندلے

محبت میں بلند اقبال میں ایسا نہ تھا ہرگز
نہ جانے کس طرح یہ رتبۂ ذیشان پایا ہے (طٰہٰ خان صاحب)

ایسی امید نہیں تھی نصیب سے اپنے
نہیں سمجھ سکا کس طرح اس کو پایا ہے (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

.....

که په ډیر مشقت لاس لره خدائے راوست
زه خو وایم چی اسان می دے مند لے

بہت کی میں نے دل سوزی بہت جھیلی جگر کاوی
مگر اس کارِ مشکل کو بہت آسان پایا ہے (طٰہٰ خان صاحب)

اگرچہ بہت مشقت سے ہاتھ آیا وہ
مگر میں کہتا ہوں آسان پھر بھی پایا ہے (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

.....

چه می یو نفس وصال ورسره وشه
واړه اجر د هجران می دے مند لے

کیا محسوس میں نے جب وصالِ یک نفس پایا
بطورِ اجرِ ہجراں دل نے اطمینان پایا ہے (طٰہٰ خان صاحب)

جب ایک سانس کا اس سے وصال مجھ کو ملا
تو اجر ساری جدائی کا میں نے پایا ہے (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

.....

سہ عجب دے کہ تمام جھان زما شی
چی بادشاہ ددرست جھان می دے مند لے
جہانِ آب و گل شاید کہ میرے نام ہو جائے
حصولِ شاہِ دوراں میں یہی امکان پایا ہے (طٰہٰ خان صاحب)

عجب نہیں کہ سارا جہان مل جائے
کہ شاہِ گل جہاں کو جب کہ میں نے پایا ہے (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

.....

زہ رحمان پہ خپل اشعار شکرگزار یم
چہ دا ھسے رنگ دیوان می دے مند لے
خدائے حرف کا رحمان ممنونِ کرم ہوں میں
اسی کے فضل سے یہ بولتا دیوان پایا ہے (طٰہٰ خان صاحب)

شکرگزار ہوں رحمان اپنے شعروں کا
کہ اس طرح کا یہ دیوان میں نے پایا ہے (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

.....

ہماری ثقافت کے زر و گوھر

زبان در دھان تا بود جایگیر ثنائے محمد بوَد دل پزیر
حبیب خدا اشرف انبیاء کہ عرش مجیدش بوَد متکا
زباں جب تلک منہ میں ہے جاگزیں ہے کرتی ثنائے نبی دل نشیں
حبیبِ خدا انبیاء کے بڑے ہیں عرشِ معلّٰی کے تکیہ نشیں

(فارسی اشعار شیخ سعدیؒ۔ منظوم ترجمہ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ)

کلام۔ حضرت سید نفیس الحسینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شکر ہے تیرا خدایا میں تو اس قابل نہ تھا
تو نے اپنے گھر بلایا میں تو اس قابل نہ تھا

اپنا دیوانہ بنایا میں تو اس قابل نہ تھا
گرد کعبے کے پھرایا میں تو اس قابل نہ تھا

مدتوں کی پیاس کو سیراب تو نے کر دیا
جام زم زم کا پلایا میں تو اس قابل نہ تھا

بھا گیا میری زباں کو ذکر اِلا اللّٰہ کا
یہ سبق کس نے پڑھایا میں تو اس قابل نہ تھا

خاص اپنے در کا رکھا تو نے اے مولا مجھے
یوں نہیں در در پھرایا میں تو اس قابل نہ تھا

میری کوتاہی کہ تیری یاد سے غافل رہا
پر نہیں تو نے بھلایا میں تو اس قابل نہ تھا

میں کہ تھا بے راہ تو نے دستگیری آپ کی
تو ہی مجھ کو رہ پہ لایا میں تو اس قابل نہ تھا

تیری رحمت تیری شفقت سے ہوا مجھ کو نصیب
گنبدِ خضرا کا سایہ میں تو اس قابل نہ تھا

بار گاہِ سید کونین میں آ کر نفیس
سوچتا ہوں کیسے آیا میں تو اس قابل نہ تھا

.....

کلام۔ پروفیسر ڈاکٹر ارشاد شاکر صاحب بفہ، مانسہرہ

پھیلتی شام راستہ تنہا
میں کہ تنہا تھا چل پڑا تنہا

رات بھر جو دیا جلا تنہا
صبح دم بھی وہی بجھا تنہا

آدمی اس جہان میں تنہا
آیا تنہا، رہا، گیا تنہا

زندگی دھوپ، دھوپ صحرا ہے
آدمی اک شجر کھڑا تنہا

ساتھ لگتے تھے قافلے کتنے
گرد بیٹھی تو میں ہی تھا تنہا

ہے ابھی راہ میں وہ رستہ جو
سب کو منزل پہ لے گیا تنہا

ایک صورت میں کتنے منظر تھے
عکس لاکھوں تھے آئینہ تنہا

اس گلی میں تھا قحط پتھر کا
میں تو گزرا ہوں بار ہا تنہا

حوصلہ دے رہا ہے جینے کا
شاخ پر گل کا جھومنا تنہا

خواب گاہوں کی ٹھنڈکیں شاکر
تیرا راتوں کو جاگنا تنہا